

خُلَاصَةٌ وَسَهِيْلٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُصَنَّفَةٌ
عِیْمَةُ اَمْرَتِ حَضْرَتِ مَوْلَانَا شَرْفِ لِي قَانُوْنِي صَا حَبِ اللّٰهِ

تَلْخِیْصٌ وَتَشْرِیْحٌ

حَضْرَتِ مَوْلَانَا مُفْتِیْ مُحَمَّدِ شَفِیْعِ صَا حَبِ

مُفْتِیْ عَظْمِ بَاکِسْتَانِ

شیراز

اِذَارَةُ الْمَجَارِفِ كَرَّاچِي

وَعَلَى اللَّهِ قَضَاءُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِزٌ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ

تسهیل خلاصہ و ہدایا قضاء السبیل

مصنفہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

تلفیظ و تشریح

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

ادارۃ المعارف کراچی

فہرستِ مضامین

۵ تصوف و طریقت کے متعلق عام غلط فہمیاں
۱۰ پہلی ہدایت شریعت و طریقت کے بیان میں
۱۴ دوسری ہدایت توبہ کے بیان میں
۱۵ توبہ کی حقیقت اور اس کا طریقہ
۱۶ حقوقِ واجبہ کی ادائیگی
۱۸ حقوق العباد
۲۰ تیسری ہدایت علمِ دین حاصل کرنے کے بیان میں
۲۱ چوتھی ہدایت مرشد کی ضرورت اور اس کی پہچان
۲۲ پیرِ کامل کی پہچان
۲۴ پانچویں ہدایت پیری مریدی کا مقصد
۲۸ بیعت اور پیری مریدی کی حقیقت
۳۰ چھٹی ہدایت مرید کے لئے دستور العمل
 دستور العمل اس شخص کا جو عالم نہیں اور دنیا کے کام سے
۳۱ بے فکر نہیں ہے

- دستور العمل اس شخص کا جو عالم نہ ہو اور دنیا کے کام سے
 بے فکر ہو..... ۳۳
- دستور العمل اس عالم کا جو دینی یا دنیوی کام میں لگا ہو... ۳۵
- دستور العمل خاص اس عالم کا جو کام میں لگا ہوا نہ ہو... ۳۶
- مراقبہ موت..... ۴۰
- نسبت باطنی..... ۴۵
- ساتویں ہدایت دلجمعی کے بیان میں..... ۵۰
- آٹھویں ہدایت اختیاری اور غیر اختیاری اعمال کے متعلق..... ۵۳
- نویں ہدایت در رسوم مشائخ..... ۵۶
- ہدایت دہم عام مردوں کو نصیحت یعنی جو عالم نہیں..... ۵۸
- عام عورتوں کو نصیحت..... ۶۰
- خاص ذکر و شغل کرنے والوں کو نصیحت..... ۶۱



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفَى وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی
 اَمَّا بَعْدُ!

تصوف و طریقت کے متعلق عام غلط فہمیاں

دین کی جو تعلیمات تصوف و طریقت کے نام سے معروف ہوئیں، وہ درحقیقت شریعتِ اسلام کا ایک نہایت اہم حصہ ہیں جن کے بغیر ایمان و اسلام کامل ہو ہی نہیں سکتا۔ اور درحقیقت شریعت پر مکمل عمل کرنے ہی کا دوسرا نام طریقت و تصوف ہے، لیکن ایک عرصہ دراز سے کچھ لوگوں کی غفلت اور کم علمی سے اور کچھ غلط کار لوگوں کی مداخلت سے اس کی حقیقت کچھ ایسی مبہم اور مختلط ہو گئی کہ کسی نے محض درویشوں کی چند رسوم و عادات کا نام تصوف رکھ لیا، کسی نے غیر اختیاری طور پر پیش آنے والے وجدی حالات و کیفیات ہی کو تصوف سمجھ لیا، کسی نے کشف و کرامات کا نام تصوف رکھ لیا، اور بعض لوگوں نے غلطی سے اس طریق میں کچھ بدعت کے اعمال شامل کر لئے اور انہیں کو تصوف سمجھنے لگے۔ تصوف کا اصل مقصود اکثر لوگوں کی نظر سے اوجھل

ہو گیا اور اس مقصود و غیر مقصود کے اختلاط سے طرح طرح کے نقصان پہنچے، مثلاً جن لوگوں نے غیر اختیاری و جدی حالات و کیفیات کو یا کشف و کرامات کو تصوف سمجھ لیا، جو درحقیقت نہ تصوف کے لئے لازم ہیں اور نہ ہر ایک کو حاصل ہوتی ہیں، نہ ان کے حاصل نہ ہونے سے کسی دینی کمال میں کوئی نقصان یا مقصد تصوف میں کوئی کمی آتی ہے، ایسا سمجھنے والے سالکین طریق جب محنت و مجاہدے کے باوجود یہ کیفیات حاصل ہوتی نہیں دیکھتے تو انہیں مایوسی ہونے لگتی ہے کہ ہمیں اس طریق کا مقصد حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ اور کچھ ناقص العمل بلکہ فاسق فاجر لوگوں کو کسی وظیفہ یا عمل کے پڑھنے سے یہ کیفیات حاصل ہو گئیں تو وہ انہیں کو مقصود تصوف سمجھ کر مغرور ہو جاتے ہیں کہ ہمیں اس طریق میں کمال حاصل ہو گیا، حالانکہ احکام شرعیہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پابندی کے بغیر کسی کو تصوف کا مقصد حاصل ہو ہی نہیں سکتا، تمام ائمہ صوفیہ کی تصریحات اس بارے میں معروف و مشہور ہیں۔

اس زمانے میں حق تعالیٰ نے سیدی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو مجددانہ خدمات اور دینی اصلاحات کے لئے چن لیا تھا، جس پر ان کی سینکڑوں تصانیف شاہد ہیں۔

تصوف و طریقت کی حقیقت کو واضح کرنے اور اس کے مقصود و غیر مقصود میں امتیاز کرنے اور اس راہ میں صحیح اور کامیاب عمل کے

طریقے بتلانے کے لئے حضرت قدس سرہ نے بہت سی تصانیف فرمائی ہیں، مثلاً ”الکشف فی مسائل التصوف“، ”التشرف فی مسائل التصوف“، ”مسائل السلوک“، ”تعلیم الدین“ وغیرہ۔ پھر ان سب تحقیقات کا ایک مختصر مجموعہ اور سالکین طریق کے لئے ان کے مختلف حالات کے اعتبار سے الگ الگ دستور العمل ایک رسالہ میں بنام ”قصد السبیل“ تصنیف فرمایا، پھر اس کے ساتھ تصوف و طریقت کی حقیقت کو واضح کرنے اور اس کو آسان کرنے والے چند مضامین کا اضافہ بطور ضمیمہ فرمایا اور مجموعہ مضامین کو ضمہ تصوف اور پنج حاسہ باطنی سے ملقب فرمایا، یہ رسالہ رجب ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا۔

چونکہ اس رسالے کی زبان علمی تھی، کم علم لوگوں کو اس سے استفادے میں دشواری پیش آتی تھی، اس لئے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے قدیم خلیفہ اور صاحب کشف و کرامات بزرگ مولانا شاہ لطف رسول صاحب نے حضرت کی اجازت سے اس رسالے کی تسہیل آسان زبان میں لکھی، جو بنام ”تسہیل قصد السبیل“ بار بار شائع ہو چکی ہے جس کے ساتھ کچھ اہم مضامین بطور ضمیمہ شامل کئے گئے تھے، لیکن آج کل کچھ تو علمی استعداد کی کمی اور کچھ لوگوں کی سہولت پسندی نے ایسا کر دیا کہ وہ کسی رسالے کو پڑھیں، پھر اس کے ضمام کو الگ دیکھیں، پھر سب کے مجموعے سے کچھ نتیجہ نکالیں، یہ سخت مشکل ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس طرح کے لوگوں نے بزرگوں کے ان علمی جواہر

پاروں کو دیکھنا ہی کم کر دیا۔ یہ مختصر رسالہ چونکہ احقر کی نظر میں تصوف و طریقت کی حقیقت کو واضح کرنے اور اس کے مقصود و غیر مقصود میں امتیاز کرنے اور اس طریق کو آسان کرنے میں دریا بکوزہ کا مصداق ہے، جس میں اس طریق کے مبتدی سے لے کر منتہی تک سب کے لئے اہم ہدایات ہیں، اس لئے احقر نے اس وقت اس کی ضرورت محسوس کی کہ مبتدی لوگوں کی سہولت کے لئے اس رسالے کے مضامین کا خلاصہ اس طرح لکھ دیا جائے کہ ختم کے مضامین کو اصل کے ساتھ لکھ دیا جائے اور اصل رسالے میں جس جگہ کوئی اجمال ہے اس کی تشریح بھی ہو جائے، چنانچہ زیر نظر رسالے میں ابتدائی پانچ ہدایتوں تک کچھ تشریحات بھی شامل کی گئی ہیں، چھٹی ہدایت سے آخر تک تقریباً ”تسہیل قصد السبیل“ کا پورا مضمون اسی کی عبارت میں لکھا گیا ہے، اور یہی مضمون دراصل اس رسالے کا مقصود ہے، یہ خلاصہ مبتدی لوگوں کے لئے لکھا گیا ہے، اس کے مطالعے سے کچھ مناسبت پیدا ہو جانے کے بعد اصل رسالہ ”قصد السبیل“ کا پورا مطالعہ بھی نہایت مفید ہے، وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هُوَ الْمَوْلَى الْجَلِيلُ، وَعَلَيْهِ مُنْتَهَى
 قَصْدِ السَّبِيلِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ الَّذِي
 لَيْسَ لَهُ فِي الْكَمَالِ الْعَدِيلُ، وَهُوَ لِذَلِكَ السَّبِيلِ خَيْرُ
 الدَّلِيلِ، وَعَلَى إِلَهٍ وَأَصْحَابِهِ الْبَادِلِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ فِي اللَّهِ
 مِنْ كُلِّ كَثِيرٍ وَقَلِيلٍ، الْمُبْلَغِينَ لِلآيَاتِ وَالرِّوَايَاتِ بِعِزِّ عَزِيزٍ
 وَذُلِّ ذَلِيلٍ. أَمَّا بَعْدُ:

تصوف و طریقت جو درحقیقت شریعت ہی پر مکمل عمل کرنے کا
 دوسرا نام ہے، اس میں ایک زمانہ دراز سے کچھ ایسا اختلاف و التباس
 پیش آ رہا تھا کہ بہت سے نادانف لوگ کچھ بزرگوں کی رسوم و عادات
 کو، اور بہت سے اُن کی غیر اختیاری کیفیات اور وجدی حالات ہی کو
 تصوف سمجھ بیٹھے تھے، مقصود و غیر مقصود میں امتیاز نہ رہنے سے بعض
 لوگ تو اس طریق کو نہایت دُشوار، ناقابل عمل سمجھ کر مایوس ہونے لگے،
 اور بعض لوگ خلاف شرع امور کے ارتکاب اور غیر شرعی عادات و
 اخلاق کے باوجود کچھ حالات اور اچھے خواب دیکھ کر نفس کی اصلاح اور
 اعمال کے اہتمام سے بے فکر ہونے لگے، ان خرابیوں کی اصلاح کے
 لئے اس مختصر رسالے میں طریقت و تصوف کی حقیقت اور اس کے
 اصل مقصود اور حصول مقصود کے طریقوں کے متعلق چند اہم اور ضروری

مضامین بعنوان ”ہدایات“ لکھتے جاتے ہیں۔

پہلی ہدایت

شریعت و طریقت کے بیان میں

سلوک و طریقت جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں، اُس کی حقیقت یہ ہے کہ ^(۱)مسلمان اپنے ظاہر و باطن کو اعمالِ صالحہ سے آراستہ کرے اور اعمالِ بد سے بچائے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ:-

اصل مقصود تو حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، اور اس کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے، ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ، اور جیسے نکاح، طلاق اور اداءِ حقوقِ زوجین اور قسم و کفارہ وغیرہ، اور جیسے لین و دین و بیرونی مقدمات و شہادت، وصیت، تقسیمِ ترکہ وغیرہ، اور جیسے سلام و کلام اور طعام و منام اور قعود و قیام اور مہمانی و میزبانی وغیرہ کے احکام، ان سب مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں۔

اور بعضے متعلق باطن کے ہیں، جیسے خدا تعالیٰ سے محبت رکھنا اور اُس سے ڈرنا، خدا کو یاد کرنا، دُنیا سے محبت کم کرنا، خدا کی مشیت پر

(۱) یہ مضمون حضرت نے اس جگہ مختصر اور آخر میں تذیل قصد السبیل کے عنوان سے بحوالہ التکشف منقول بیان فرمایا ہے، احقر نے سہولت کے لئے دونوں کو اسی جگہ جمع کر دیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع

راضی رہنا، حرص نہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا، اس کے کاموں کو اخلاص کے ساتھ اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ ہونا، غصے کو ضبط کرنا وغیرہ، ان اخلاق کو سلوک اور طریقت و تصوف کہتے ہیں۔

اور جس طرح احکام ظاہرہ نماز، روزہ وغیرہ پر عمل فرض و واجب ہے، اسی طرح ان پر عمل بھی از روئے قرآن و سنت فرض و واجب ہے، اور باطنی خرابیوں سے بچنے کا اہتمام اس لئے زیادہ ضروری ہے کہ ان باطنی خرابیوں کا اثر ظاہری اعمال پر بھی پڑتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی محبت کم ہونے سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی رکوع، سجدے کا حق ادا کئے بغیر پڑھ لی یا بخل کے سبب زکوٰۃ یا حج ادا کرنے کی ہمت نہ ہوئی یا تکبر اور غصے کے غلبے سے کسی پر ظلم ہو گیا، خلاصہ یہ ہے کہ شریعت و طریقت دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ شریعت کے تمام احکام ظاہرہ باطنہ پر پورا پورا عمل کرنے کا نام ہی طریقت ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم فقہ کی تعریف ہی ایسی کی ہے جس میں اعمال ظاہرہ اور اعمال باطنہ سب داخل ہیں۔

مگر متاخرین نے سہولتِ تحصیل کے لئے اعمال ظاہرہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، تجارت، اجارہ وغیرہ کو الگ جمع کر کے اس کا نام فقہ رکھ دیا، اور اعمال باطنہ، اخلاص، صبر، شکر، زہد وغیرہ کے احکام کو الگ جمع کر کے ان کا نام تصوف و طریقت رکھ دیا، اس

اصطلاح کے مطابق ایک کو دوسرے سے الگ الگ بھی اس طرح کہہ سکتے ہیں جیسے نماز الگ اور روزہ الگ عبادت ہے، انسان کا ہاتھ الگ ایک عضو ہے، پاؤں الگ دوسرا عضو ہے، آنکھ اور چیز ہے، کان اور قلب و جگر و لب الگ الگ اعضاء ہیں، لیکن مجموعہ انسانیت کی تکمیل ان سب کے مجموعے ہی سے ہوتی ہے، ان میں سے کسی ایک کو لے کر دوسرے سے استغناء نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح متاخرین کی اصطلاح کے مطابق علم عقائد، علم فقہ، علم تصوف بلاشبہ الگ الگ علوم و فنون ہیں، مگر انسان کامل یا مؤمن و مسلم ان سب کے مجموعے ہی سے بنتا ہے، اور قرآن و سنت کی پیروی ان سب ہی پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ان میں سے صرف کسی ایک حصے کو لے کر دوسرے کو نظر انداز کرنا ایسا ہی مہلک ہے جیسے کانوں کی حفاظت کی جائے، آنکھوں کو ضائع کر دیا جائے یا روزہ کی حفاظت کی جائے، نماز کو ضائع کر دیا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے فرمایا ہے:-

شریعت بغیر طریقت کے نرا فلسفہ ہے، اور طریقت بغیر

شریعت کے زندقہ و الحاد۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا:-

(۱) یہ مضمون حضرت نے پانچویں ہدایت میں مستقل تحریر فرمایا تھا، سہولت کے لئے

اس کو اسی پہلی ہدایت میں لکھ دیا گیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع

جس شخص کا ظاہر پاک نہ ہو، اس کا باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا۔

ظاہر کے پاک ہونے سے مراد اعمالِ ظاہرہ کی پابندی جو علمِ فقہ میں بیان کی جاتی ہے، اور باطن کے پاک ہونے سے مراد اعمالِ باطنہ کی پابندی ہے جن کا بیان علمِ تصوف و سلوک میں ہوتا ہے۔ اور امام سہروردی نے عوارف المعارف میں صوفیائے کرام کو پیش آنے والے حالات و کیفیات کے متعلق فرمایا کہ: حضرت سہل بن عبداللہ نے فرمایا ہے کہ:-

كُلُّ وَجِدٍ لَا يَشْهَدُ لَهُ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ فَبَاطِلٌ.

ترجمہ:- جس وجدی کیفیت کی کوئی شہادت کتاب و سنت میں موجود نہ ہو وہ باطل ہے۔

اور پھر فرمایا کہ: صوفیائے کرام کا تو اتباع سنت کے مقابلے میں یہ حال ہے، اس لئے جو جاہل صوفی اس کے خلاف حالات کا مدعی ہو وہ فتنے میں پڑا ہوا کذاب ہے۔ (عوارف بر حاشیہ احیاء العلوم ج: ۱ ص: ۲۸۰) چوتھی صدی ہجری کے مشہور امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو ایک پیغام اپنے زمانے کے صوفیائے کرام کے نام بنام ”رسالہ قشیریہ“ لکھا ہے، اس میں بھی اتباع سنت ہی کو تمام صوفیائے کرام کا اصل وظیفہ قرار دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جاہل مدعیانِ تصوف جو یہ کہتے ہیں

کہ شریعت و طریقت الگ دورا ہیں ہیں، ایک کام جو شریعت میں حرام ہے، ہو سکتا ہے کہ طریقت میں حلال ہو، یہ قطعاً گمراہی اور کھلی بے دینی اور تمام صوفیائے کرام کے مسلک کے خلاف ہے۔

دوسری ہدایت

توبہ کے بیان میں

پہلی ہدایت میں جب یہ ثابت ہو گیا کہ تصوف و طریقت کی یہی حقیقت ہے کہ شریعت کے تمام ظاہری اور باطنی اعمال پر پورا پورا عمل کیا جائے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان تمام احکام شرعیہ پر عمل ہر مسلمان کے لئے فرض و واجب اور ضروری ہے، اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس میں غفلت نہ برتے، اس صراطِ مستقیم پر چلنے میں پوری ہمت سے کام لے، اور جو شخص اس کا ارادہ کرے اس کے لئے سب سے پہلا کام پچھلے کئے ہوئے گناہوں سے مکمل توبہ کرنا ہے، توبہ کا طریقہ آگے مفصل بیان کیا جاتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق جو قابل ادائیگی ہیں ان کی ادائیگی اور خصوصاً بندوں کے حقوق^(۱) جو کسی کے ذمہ ہیں، خواہ مالی حقوق ہوں کہ کسی کا مال ناجائز طور پر لے لیا ہو یا

(۱) اس ہدایت کا مضمون کچھ تو تصد السبیل سے لیا گیا اور کچھ احقر نے بطور تشریح

حضرت کی دوسری کتابوں سے لکھا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع

جسمانی حقوق ہوں کہ کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا ہو ان سب حقوق کی ادائیگی یا اصحاب حقوق سے معافی شرط توبہ ہے کہ جب تک کوئی آدمی ان حقوق سے سبکدوش نہ ہو، اگر عمر بھی عبادت میں محنت و ریاضت کرتا رہے، ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچے گا۔

توبہ کی حقیقت اور اس کا طریقہ

صرف زبان سے توبہ توبہ کہہ لینے یا استغفار کے الفاظ پڑھ لینے سے توبہ نہیں ہوتی، بلکہ توبہ کے لئے تین رکن ضروری ہیں: اول یہ کہ پچھلے کئے ہوئے گناہوں پر ندامت و افسوس اور دل میں ایک تڑپ اور رنج و صدمہ پیدا ہو۔ دوسرے یہ کہ بالفعل ان سب گناہوں کو چھوڑ دے۔ تیسرے یہ کہ آئندہ کے لئے دل میں پختہ ارادہ کرے کہ ان میں سے کسی گناہ کے پاس نہ جاؤں گا۔

توبہ کا پہلا رکن یعنی پچھلے کئے ہوئے گناہوں پر ندامت اور دل میں رنج و غم پیدا ہونا، اس کا کوئی ذریعہ بجز علم کے نہیں، کہ اول انسان کو یہ معلوم ہو کہ کیا کیا کام گناہ کبیرہ یا صغیرہ ہیں؟ دوسرے یہ معلوم ہو کہ ان گناہوں کا وبال دنیا و آخرت میں کیا ہے؟ یہ باتیں احقر کے رسالے ”گناہ بے لذت“ سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں اور بزرگوں کی دوسری کتابوں سے بھی، مثلاً بہشتی زیور، جزاء الاعمال، تعلیم الدین، حیاة المسلمین، تبلیغ دین وغیرہ۔ ان کتابوں کو مسلسل مطالعے

میں رکھنے سے انشاء اللہ تعالیٰ دل میں اپنے گناہوں پر ندامت، افسوس اور رنج و غم پیدا ہوگا۔ پھر توبہ کا دوسرا رکن سب گناہوں کو فوراً چھوڑنا ہے، یہ کام بغیر ہمت کے نہیں ہو سکتا، اور ہمت پیدا کرنے کا طریقہ بزرگوں اور نیک لوگوں کی صحبت اور ان کے حالات پڑھنے سننے کے سوا کچھ نہیں۔ توبہ کا تیسرا رکن آسندہ کے لئے گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ قصد ہے، وہ آدمی کے اپنے اختیار میں ہے، ہر وقت کر سکتا ہے، مگر ہمت ہر کام میں ضروری ہے، اس معاملے میں بھی اس کو یہ پختہ ارادہ کرنا ہوگا کہ اللہ و رسولؐ کا حکم ماننے میں چاہے جتنی اپنے آپ کو تکلیف ہو اور چاہے جتنا بڑا نقصان جان کا یا مال کا ہو جاوے اور چاہے کوئی دنیوی فائدہ جاتا رہے اور چاہے جتنی لوگ ملامت کریں سب گوارا کریں گے، مگر اللہ و رسولؐ کی فرمانبرداری نہ چھوڑیں گے، اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو وہ اللہ کا طالب نہیں۔

حقوقِ واجبہ کی ادائیگی

جب آپ گناہوں کی تفصیل مذکورہ کتابوں میں دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان گناہوں میں بعض تو ایسے ہیں جن سے صرف اللہ تعالیٰ کے حق کی خلاف ورزی ہوئی، کسی انسان کو اس سے کوئی تکلیف نہ پہنچی، اور بعض وہ ہیں جن سے دوسرے انسان یا انسانوں کو ایذا و تکلیف پہنچی ہے، پہلی قسم حقوق اللہ کہلاتے ہیں اور دوسری قسم حقوق

العباد ہیں، پھر حقوق اللہ میں ایک وہ حقوق جن کی قضا یا کفارہ ہو سکتا ہے جیسے کچھ نمازیں یا روزے فوت ہو گئے تو ان کی قضا واجب ہے، یا زکوٰۃ بچھلے زمانے میں ادا نہیں کی تو اب ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح حج فرض ہونے کے باوجود نہیں کیا تو اب کرنا ہے، یا جیسے قسم کھا کر توڑنے کا کفارہ کہ پہلے ادا نہیں کیا تو اب کرنا ضروری ہے۔

اور دوسری قسم حقوق اللہ کی وہ ہے کہ جس کا شریعت میں کوئی کفارہ مقرر نہیں، مثلاً جھوٹ بولنے کا گناہ یا نفسانی خواہشات میں کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب وغیرہ، اس دوسری قسم کی توبہ تو صرف یہ ہے کہ پوری زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے اور ہمیشہ استغفار کرتا رہے۔

اور حقوق اللہ کی پہلی قسم جن کی قضا یا کفارہ شریعت میں مقرر ہے ان تمام حقوق کی ادائیگی بذریعہ قضا یا کفارہ لازم ہے، مثلاً غور کر کے یادداشت لکھ لے کہ عمر بھر میں کتنی نمازیں فوت ہوئیں؟ کتنے روزے نہیں رکھے؟ اب ان سب کو ادا کرے، اگر فوت شدہ نمازیں مقدار میں زیادہ ہیں تو روزانہ بقدر ہمت و فرصت کچھ ادا کرنا شروع کرے اور ہمیشہ کوشش کرتا رہے جب تک وہ پوری ہوں، اسی طرح اگر گزشتہ زمانے میں مال کی زکوٰۃ نہیں نکالی تو تخمینے سے حساب کر کے متعین کر لے کہ کتنی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے، اس کو ہو سکے تو فوراً، ورنہ تھوڑا تھوڑا ادا کرتا رہے۔

اسی طرح اگر صدقہ فطر یا قربانی واجب ہونے کے باوجود ادا نہیں کیا ہے تو اب ادا کرنا اور قربانی کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح اگر کوئی قسم توڑی ہے اُس کا کفارہ واجب ہے وہ ادا کرے، کوئی روزہ رکھ کر بالقصد توڑا ہے اور اُس کا کفارہ واجب ہے تو وہ کفارہ بھی ادا کرے۔

اسی طرح حقوق اللہ میں جتنے حقوق کی قضا ہو سکتی ہے اُن کی قضا کرے اور جن کا کفارہ دیا جاسکتا ہے اُن کا کفارہ ادا کرے، جب تک ان تمام فوت شدہ عبادات کی قضا اور کفارہ سے سبکدوش نہ ہو محض زبانی توبہ ہرگز کافی نہیں۔

حقوق العباد

دوسری قسم حقوق کی بندوں کے حقوق ہیں، وہ بھی دو قسم کے ہیں، ایک مالی حقوق، جیسے کسی سے قرض لیا پھر ادا نہیں کیا، یا کسی کا کچھ مال کسی معاہدے معاملے کی وجہ سے اس پر لازم تھا وہ ادا نہیں کیا، کسی سے ناجائز طور پر مال چھین لیا یا بطور رشوت کے لے لیا، اس طرح کے تمام حقوق کی بھی فہرست بنائے اور سب کو ادا کرے، اگر بیک وقت ادا نہیں کر سکتا، اپنی وسعت کے مطابق دینا شروع کرے۔ یہ حقوق جن لوگوں کے ہیں اگر وہ زندہ ہیں اور اُن کے پتے معلوم ہیں تو ادا کرنا آسان ہے، اگر وہ مر گئے تو ان کے وارثوں کو تلاش کر کے ادا

کرنا ضروری ہے، اگر تلاش کے باوجود ان کے پتے معلوم نہ ہوں تو ان کے حقوق کے مطابق رقم ان کی طرف سے صدقہ کر دی جائے۔ دوسری قسم حقوق العباد کی جسمانی حقوق ہیں، جیسے کسی کو ہاتھ یا زبان سے بلاوجہ شرعی کوئی ایذاء و تکلیف پہنچائی ہو، کسی کو گالی دی ہو، کسی کی غیبت کی ہو، اس سے معاف کرانا ضروری ہے، کسی کو مارا پیٹا ہو تو اس کا بدلہ دینے کے لئے تیار ہو کر اس سے کہنا کہ تم کو اختیار ہے، مجھے مار کر بدلہ لے لو یا معاف کر دو۔

جب تک اس تفصیل مذکور کے ساتھ تمام مالی اور جسمانی حقوق العباد سے سبکدوشی حاصل نہ کرے، توبہ مکمل نہیں ہو سکتی۔ اور بغیر تکمیل توبہ کے نقلی عبادات اور ذکر و شغل میں کتنی بھی محنت عمر بھر کرتا رہے کبھی خدا تک نہ پہنچے گا، نہ سیدھا راستہ حاصل ہوگا۔ غرض تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد جو قابل ادا ہو گئی ہیں ان کو ادا کرنا یا معاف کرانا توبہ کے لئے ضروری ہے، خصوصاً حقوق العباد کا معاملہ زیادہ سنگین ہے کہ وہ جب تک صاحب حق معاف نہ کرے کسی طرح معاف نہیں ہو سکتے، اس لئے اللہ کی راہ میں قدم رکھنے والے کے لئے سب سے پہلا کام تکمیل توبہ ہے۔



تیسری ہدایت

علم دین حاصل کرنے کے بیان میں

جب دوسری ہدایت کے مطابق پچھلے گناہوں سے توبہ کر لی اور آئندہ کے لئے یہ پختہ عہد کر لیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پوری پوری پابندی کریں گے، اس میں کتنی محنت مشقت یا دنیاوی نقصان یا لوگوں کی ملامت ہو اس کو برداشت کریں گے تو ظاہر ہے کہ یہ کام دین کا ضروری علم^(۱) حاصل کئے بغیر نہیں ہو سکتا، اس لئے بقدر ضرورت شرعی احکام و مسائل کا علم حاصل کرنا ضروری ہوگا، خواہ کتابیں پڑھ کر یا علماء سے زبانی مسائل معلوم کر کے، اور اگر پڑھیں تو خواہ عربی میں پڑھیں یا فارسی، اردو وغیرہ مقامی زبانوں میں سے کسی زبان میں ضروری مسائل دین پڑھ لیں، اس کام کے لئے آسان اردو زبان میں حضرت سیدی حکیم الامتؒ کی تصنیف بہشتی زیور اور بہشتی گوہر اس کو کسی جاننے والے سے سبقاً پڑھ لیں یا خود ہی مطالعہ کریں، اور حضرت کا رسالہ ”صفائی معاملات“ اور ”آداب معاشرت“ اور تیسرا باب ”مفتاح الجنۃ“ کا پڑھ لیں تو دین کی

(۱) علم دین حاصل کرنے کا یہ مضمون حضرت نے پہلی ہدایت کے ضمن میں تحریر فرمایا تھا، اس کی اہمیت کے پیش نظر اس رسالے میں اس کو ایک مستقل ہدایت کے عنوان سے لکھ دیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع

روزمرہ کی ضرورتوں کے لئے کافی ہیں۔ پھر جو مسئلے سیکھے ان پر عمل کرنے کا پکا ارادہ کرے تاکہ نفسی خواہشات اور لوگوں کی ملامت عمل سے مانع نہ ہوں۔

چوتھی ہدایت

مرشد کی ضرورت اور اُس کی پہچان

ظاہری اعمال اور اُن کے مسائل سیکھنے کے لئے بھی عادتاً اُستاد کی ضرورت ہوتی ہے، بغیر اُستاد کے یہ کام بھی درست نہیں ہوتا، لیکن اعمالِ باطنہ جن میں فرائض و واجبات ہیں کچھ حرام و مکروہ ہیں جو تصوف و طریقت میں بیان کئے جاتے ہیں، اُن کا علم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے اُستاد کی ضرورت اُس سے زیادہ ہے، ان مسائل کے اُستاد کو اصطلاح میں شیخ یا مرشد یا پیر کہا جاتا ہے۔

باطنی رذائل کو سمجھنا اور اُن کا علاج کرنا عادتاً شیخ و مرشد کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس لئے جو شخص اس طریق میں قدم رکھے اس کے لئے ضروری ہے کہ شیخ و مرشد کی تلاش کرے، جب وہ مل جاوے تو اُس کی طرف رُجوع کرے اور اُس کی تعلیم کا پورا پورا اتباع کرے، تو بہ جس کا بیان دوسری ہدایات میں آیا ہے جب کوئی اُس پر عمل کرنا شروع کرے گا تو معلوم ہوگا کہ اُس کی تکمیل میں بھی جگہ جگہ پیر مرشد

کی ضرورت ہوتی ہے، بغیر شیخِ کامل کی رہبری کے تو یہ بھی مکمل ہونا مشکل ہے۔

پیرِ کامل کی پہچان

پیرِ کامل وہ ہے جس میں یہ باتیں موجود ہوں:-

- ۱:- ضرورت کے موافق دین کا علم اس کو ہو۔
- ۲:- عقیدے اور عمل اور عادتیں اس کی شرع کے موافق ہوں۔
- ۳:- دُنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کامل ہونے کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی دُنیا کی ایک شاخ ہے۔
- ۴:- کسی کامل پیر کے پاس کچھ دنوں تک رہا ہو۔
- ۵:- اس کے زمانے میں جو عالم اور درویش منصف مزاج ہوں وہ اس کو اچھا جانتے ہوں۔
- ۶:- عام لوگوں کی نسبت خاص لوگ یعنی جو لوگ سمجھ دار اور دین دار ہوں وہ اس کے زیادہ معتقد ہوں۔
- ۷:- اس کے مریدوں میں اکثر مریدِ شرع کے پابند ہوں اور ان کو دُنیا کی طمع نہ ہو۔

۸:- وہ پیر اپنے مریدوں کی تعلیم جی سے کرتا ہو اور چاہتا ہو کہ یہ دُرست ہو جاویں، اور اگر مریدوں کی کوئی بُری بات دیکھتا ہو یا سنتا ہو تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک

کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

۹:- اس کے پاس چند روز بیٹھنے سے دُنیا کی محبت میں کمی اور اللہ کی محبت میں زیادتی معلوم ہوتی ہو۔

۱۰:- خود بھی وہ ذکر و شغل کرتا ہو، کیونکہ بغیر عمل کے پختہ ارادہ کئے ہوئے تعلیم میں فائدہ نہیں ہوتا۔

جس شخص میں یہ نشانیاں موجود ہوں پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ یا پوشیدہ یا آشندہ ہونے والی باتیں اس کو معلوم ہوتی ہیں یا نہیں؟ یا یہ جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے یا نہیں؟ یا یہ اپنی باطنی قوت سے کچھ کام کر دیتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ باتیں پیر یا ولی کے لئے ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ تڑپتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ یہ بزرگی کے لئے ضروری نہیں۔ اصل میں اس قسم کا اثر نفس کے متعلق ہے جو مشق کرنے سے بڑھ جاتا ہے، جو شخص پرہیزگار بھی نہیں، بلکہ جو مسلمان بھی نہیں وہ بھی کر سکتا ہے اور اس توجہ دینے سے کچھ زیادہ نفع بھی نہیں ہوتا کیونکہ توجہ کا اثر باقی نہیں رہا کرتا، بس توجہ کا اتنا فائدہ ہے کہ جو مرید ایسا ہو کہ اس میں ذکر کا اثر بالکل نہ ہوتا ہو اس کو پیر چند روز تک توجہ دے تو اس میں توجہ دینے سے ذکر کا اثر ہونے لگتا ہے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہو جاوے۔

پانچویں ہدایت

پیری مریدی کا مقصد

جب پیر کامل مل جاوے اور اس سے مرید ہونے کا ارادہ کرے تو پہلے یہ سمجھ لے کہ مرید ہونے سے غرض کیا ہے؟ کیونکہ مرید ہونے سے لوگوں کی بہت سی غرضیں ہوتی ہیں، کوئی تو یہ چاہتا ہے کہ ہم کرامت والے ہو جاویں اور ہم کو کشف سے وہ باتیں معلوم ہونے لگیں جو اوروں کو معلوم نہیں ہوتیں۔ سو تیسری ہدایت میں ابھی تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ خود پیر ہی میں یہ ہونا ضروری نہیں کہ اس سے کرامتیں ہوں، اس کو کشف سے ایسی باتیں معلوم ہو جایا کریں جو اوروں کو معلوم نہیں ہوتی ہیں تو بیچارہ مرید اس کی کیا ہوس کرے گا، کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مرید ہونے سے پیر صاحب بخشش کے ذمہ دار ہو جاویں گے، قیامت میں وہ دوزخ میں نہ جانے دیں گے خواہ کیسے ہی بُرے کام کرتے رہو، یہ بھی محض غلط ہے، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: ”يَا فَاطِمَةُ! اِنْقِذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ“ اے فاطمہ! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، یعنی عمل کرو۔ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ پیر صاحب ایک نگاہ میں کامل کر دیں گے، ہم کو نہ محنت کرنا پڑے گی، نہ گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرنا پڑے گا۔ اگر اسی

طرح کام بن جاتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل ہوگا؟ گو کہیں بطور کرامت کے ایسا ہو بھی گیا ہے کہ کسی بزرگ نے ایک نگاہ میں کامل کر دیا، لیکن کرامت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہوا کرے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ولی سے کرامت ہوا کرے، اس بھروسے پر رہنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ خوب جوش و خروش و شورش و مستی پیدا ہو، خوب نعرے لگایا کریں، گناہ آپ سے آپ چھوٹ جاویں، گناہ کی خواہش مٹ جاوے، نیک کاموں کا ارادہ ہی نہ کرنا پڑے، آپ سے آپ ہو جایا کریں، دل کے وسوسے اور خطرے سب مٹ جاویں، بس ایک بے خبری کی کیفیت رہا کرے، یہ خیال پہلے سب خیالوں سے اچھا سمجھا جاتا ہے لیکن سبب اس کا ناواقفیت ہے، یہ سب باتیں کیفیات اور حالات کہلاتی ہیں اور حالات کا پیدا ہونا آدمی کے اختیار سے باہر ہے، اور حالات اگرچہ بہت عمدہ چیز ہیں مگر مقصود نہیں، مقصود وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا حاصل کرنا اختیار میں ہو۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی خواہشوں میں نفس کا چھپا ہوا مکر ہے، وہ یہ کہ نفس آرام اور مزہ اور ناموری چاہتا ہے، ان کیفیتوں میں یہ سب باتیں حاصل ہیں، جو شخص اللہ کی رضامندی کا طالب ہوگا جس کے متعلق آگے بیان آتا ہے کہ درویشی سے مقصود یہی اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، ایسے شخص کو ان خواہشوں سے کیا تعلق؟ وہ تو اپنی

حالت ایسی رکھے گا جیسے گویا یوں کہہ رہا ہے ۔

فراق و وصول چہ باشد رضاءِ دوست طلب

کہ حیف باشد ازو غیرِ او تمنائی

یعنی جس کو تم فراق سمجھتے ہو اور جس کو وصال سمجھتے ہو یہ دونوں

برابر ہیں، اصل چیز اس کی رضا مندی ہے، اللہ تعالیٰ سے اللہ کے سوا

دوسری چیز چاہنا افسوس کے قابل بات ہے ۔

روزہا گر رفت گو رو پاک نیست

تو یماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

یعنی کیفیتیں اور حالات اگر جاتے رہے تو کوئی افسوس کی بات

نہیں، اللہ کا تعلق رہنا چاہئے جس کے برابر کوئی چیز پاک نہیں ۔

بس زبون و سوسہ باشی دلا

گر طرب را باز دانی از بلا

یعنی اے دل! ابھی تو خیالِ فاسد ہی میں مغلوب ہے، اگر تو

راحت اور مصیبت میں فرق سمجھے ۔

پھر یہ کہ ایسا شخص دو قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ

یہ کیفیتیں یا حاصل ہوں گی یا نہیں، اگر حاصل ہو گئیں تب تو بوجہ اس

کے کہ یہ شخص اسی کو درویشی سمجھتا تھا، اپنے کو کامل سمجھنے لگتا ہے اور ان

ہی کیفیات پر بس کر کے پرہیزگاری اور عبادات کو بے قدر ضرور سمجھنے

لگتا ہے اور اگر حاصل نہ ہوں تو غم میں مرنے گھٹنے لگتا ہے، اور کچھ اسی

کی خصوصیت نہیں بلکہ جو شخص بھی ایسی باتوں کی خواہش کرے گا جو اختیار سے باہر ہیں، غم اور پریشانی میں مبتلا رہے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ پیر صاحب کے پاس عمل بڑے بڑے اچھے ہیں، جب ضرورت ہوگی ان سے تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے، یا پیر صاحب کی دُعا بہت قبول ہوتی ہے، مقدموں میں اور دُنیا کی ضرورتوں میں اُن سے دُعا کرا لیا کریں گے اور سب کام ہماری مرضی کے موافق ہو جایا کریں گے، گویا ساری خدائی پیر صاحب کے قبضے میں ہے۔ یا ہم اُن سے ایسی چیز سیکھ لیں گے کہ ہم برکت والے ہو جاویں گے کہ ہمارے دَم کر دینے اور ہاتھ پھیر دینے سے بیمار اچھے ہو جاویں گے، بلکہ ایسے لوگ بزرگی ان ہی عملوں اور ان کے اثر کو سمجھتے ہیں، چونکہ ان عملوں کو بزرگی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ نیت بالکل دُنیا ہی کا چاہنا ہے، اس لئے غلطی در غلطی ہے۔ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ذکر و شغل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ کچھ روشنی دکھائی پڑے گی یا کوئی آواز سنائی دے گی، یہ بھی بالکل غلط خیال اور نا سمجھی ہے، کیونکہ اول تو یہ ضروری نہیں کہ ذکر و شغل کرنے سے روشنی معلوم ہو یا آواز سنائی دے اور نہ ذکر و شغل کرنے سے روشنی وغیرہ کا دکھائی پڑنا مقصود ہے، دوسرے ذکر و شغل کرنے سے جو روشنی نظر آوے یا جو رنگ دکھائی دے یا جو آواز سنائی دے، بعض دفعہ یہ ذکر و شغل کرنے والے کے دماغ کا فعل ہوتا ہے، غیب کی کوئی چیز نہیں ہوتی، تیسرے اگر مان بھی لیا جاوے کہ غیب کی کوئی چیز دکھائی

پڑی یا غیب کی آواز سنائی پڑی تو اس سے کیا فائدہ ہوا؟ غیب کی آواز معلوم ہو جانے سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل نہیں ہو جاتی، اللہ تعالیٰ کی نزدیکی تو اس کی عبادت اور فرمانبرداری سے حاصل ہوتی ہے۔ بعض دفعہ شیطانوں کو فرشتے دکھائی دیتے ہیں، مگر وہ شیطان کے شیطان ہی رہتے ہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد کافروں کو غیب کی بہت سی باتیں معلوم ہو جاویں گی، تو جو بات کافر کو بھی حاصل ہو جاوے اگر وہ بات معلوم ہوگئی تو کیا کمال ہوگا؟ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ جتنی باتیں مذکور ہوئیں مقصود درویشی سے ان میں سے کسی کا حاصل ہونا بھی نہیں اس لئے ان سب خیالوں کو دل سے نکال کر اصلی غرض اور مقصود درویشی سے اللہ کی رضامندی سمجھے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب حکموں کو بجالا دے اور ذکر پابندی سے کرے، پیر یہی بتلاتا ہے اور مرید اسی پر عمل کرتا ہے، اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے خیال میں حاصل ہوتا بھی آخرت میں ذکر اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے بجالانے کا فائدہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، ظاہر ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، دوزخ سے بچے گا۔

بیعت اور پیری مریدی کی حقیقت

اور حقیقت پیری مریدی کی یہی ہے کہ پیر وعدہ کرتا ہے ذکر اور

اللہ کے حکموں کے بتلانے کا اور مرید اقرار کرتا ہے کہ پیر جو بتلاوے گا اس پر عمل ضرور کرے گا، اور اگرچہ پیر کی طرف سے یہ تعلیم اور مرید کی طرف سے پیر کے بتلائے ہوئے پر عمل بدوں اس خاص طریقے کے بھی ہو سکتا ہے کہ جس طریقے سے مرید ہونے کا دستور ہے لیکن اس خاص طریقے سے مرید ہونے میں یہ خاصیت ہے کہ پیر کی توجہ مرید پر زیادہ ہو جاتی ہے اور مرید کو پیر کا کہنا ماننے کا زیادہ خیال ہو جاتا ہے، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ایک ہی پیر کرے اور اپنے پیر کو اس زمانے کے سب بزرگوں سے اچھا سمجھے، اس کی مصلحت فقط یہی ہے کہ اس صورت میں دونوں طرف سے تعلق بڑھ جاتا ہے، رہا ہاتھ میں ہاتھ لینا یا کوئی کپڑا وغیرہ عورت کو پکڑا دینا جبکہ وہ پاس ہو، یہ بزرگوں کی ایک نیک رسم ہے، اس اقرار کی مضبوطی کے واسطے جو کہ پیر اور مرید میں ہوتا ہے، باقی یہ اقرار دونوں طرف سے بدوں اس کے بھی ہو سکتا ہے، اس وجہ سے جو شخص دُور سے مرید ہونا چاہے اس کو بدوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے مرید کر لیتے ہیں، اور حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دینے کا طریقہ اچھا ہے، چنانچہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جب بیعت فرماتے تھے تو مریدوں کا ہاتھ اپنے دست مبارک سے پکڑ کر بیعت فرماتے تھے، اور کپڑے وغیرہ کو پکڑا دینا یہ بجائے ہاتھ پکڑنے کے ہے۔

چھٹی ہدایت

مرید کے لئے دستور العمل

جبکہ مرید موافق پانچویں ہدایت کے اپنی نیت درست کرے تو اُس کو چاہئے کہ اگر مرید ہونے کے بعد فرصت ملے تو چند دن اپنے پیر کے پاس رہے اور اگر اس کی نوبت نہ آوے تو دُور ہی سے اس کی تعلیم پر عمل کرے، بلکہ اگر مرید ہونے کے لئے بھی پیر کی خدمت میں نہ پہنچ سکے تو جہاں ہو وہیں سے بذریعہ خط کے یا کسی معتبر آدمی کے واسطے سے مرید ہو سکتا ہے، حاضر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور طریقہ تعلیم ہر پیر کا جدا ہے، ان سب طریقوں کو اس کتاب میں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، ایک چھوٹا سا دستور العمل لکھے دیتا ہوں جو بوجہ اس کے کہ انتہا درجے کا اس میں نفع ہے اس قابل ہے کہ اس کو عطرِ تصوف کہا جاوے، اور یہ طریقہ بہت خاک چھان کر ہاتھ لگا ہے اور اصلی سبب اس کتاب کے لکھنے کا اسی طریقے کو بیان کرنا ہے۔

یہ دستور العمل سب راہِ درویشی کے چلنے والوں کے لئے بھی ہے، جب تک وہ اپنے پیر تک نہ پہنچیں اور جو میرے دوست ہیں اُن کے لئے ہمیشہ کے عمل کرنے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ سے قوی امید رکھتا ہوں کہ اس دستور العمل کے موافق عمل کرنے والا محروم نہ رہے گا،

پھر اگر کوئی شخص اس دستور العمل پر عمل کرے اور اس کا پیرا اسی دستور العمل کو پسند کرے اور اجازت دے دے تب تو قصہ آسان ہوا، اور اگر اس کے وظیفوں میں اور جو ذکر و شغل اس میں لکھے ہیں ان میں کچھ کمی بیشی کرے یا اس کے علاوہ اور کچھ بتلاوے تو جیسا وہ کہے ویسا کرے، البتہ اس دستور العمل میں جو ضروری باتیں شروع میں لکھی ہیں ان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی ہے، وہ ویسی ہی رہیں گی، اب سمجھنا چاہئے کہ خلاصہ اس دستور العمل کا یہ ہے کہ اس راہ کا چلنے والا یا عامی ہے یعنی عالم نہیں، یا عالم ہے، اور ہر ایک ان میں سے یا کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق کے ادا کرنے سے بے فکر ہوگا یا بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کی اور کمانے کی فکر میں لگا ہوگا، یہ کل چار قسمیں درویشی کی راہ چلنے والوں کی ہیں، ایک وہ عامی جو کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے سے بے فکر ہے، دوسرا وہ عامی جو کہ کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے، تیسرا وہ عالم جو دُنیا کے کاموں سے خالی ہے، چوتھا وہ عالم جو روزگار کے کام میں لگا ہوا ہے، ہر ایک کے لئے ایک دستور العمل ہے۔

دستور العمل اس شخص کا جو عالم نہیں اور دُنیا کے

کام سے بے فکر نہیں ہے

یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے عقیدے ٹھیک کرے اور ضروری

ضروری مسئلے سیکھے اور بہت اہتمام سے ان مسئلوں کی پابندی کرے، اور جو کسی نئے مسئلے کی ضرورت پڑے کسی عالم سے پوچھ لے اور اگر پیر اس کا عالم ہے تو وہ سب سے بہتر ہے، جو کچھ ضرورت ہو اس سے پوچھ لے، اور اگر ہو سکے تو تہجد اخیر رات میں پڑھے، ورنہ عشاء کے بعد ہی وتر سے پہلے کچھ نفلیں تہجد کی جگہ پڑھ لیا کرے اور بعد پانچوں نمازوں کے اور پانچوں نمازوں کے بعد چھٹی نہ ہو، تو جن نمازوں کے بعد چھٹی ہو "سُبْحَانَ اللَّهِ" سو بار، اور "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" سو بار، اور "اللَّهُ أَكْبَرُ" سو بار، اور سوتے وقت "أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ" سو بار پڑھا کرے، اور ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے دُرود شریف پڑھتا رہے، اس میں وضو اور کسی گنتی کی ضرورت نہیں ہے، وضو اور بے وضو ہر حال میں دُرود شریف پڑھا کرے، لیکن تسبیح ہر وقت ہاتھ میں لئے نہ پھرے^(۱) اور اگر قرآن شریف پڑھا ہوا ہو تو روزانہ کسی قدر قرآن شریف کی تلاوت بھی کر لیا کرے، اور اس کتاب کے اخیر میں جو مردوں اور عورتوں کو نصیحتیں لکھی ہوئی ہیں ان کو کبھی کبھی دیکھ لیا کرے اور ان پر عمل کرے، اور کبھی کبھی اپنے پیر کے پاس یا اور کوئی ایسے بزرگ اگر موجود ہوں جو پرہیزگار ہوں اور عقیدے ان کے اچھے ہوں ان کے پاس جا بیٹھا کرے، لیکن پیر کے پاس جانے میں اس کی

(۱) یعنی بلا ضرورت، لیکن اگر تسبیح ہاتھ ذکر کرنا یاد نہ رہے تو تسبیح لینے کا مضائقہ

پابندی نہ کرے کہ کچھ نہ کچھ لے کر ہی جانا چاہئے، یہ تکلف سچی محبت کے خلاف ہے، اور باقی جو وقت بچے، بال بچوں کے لئے حلال روزی تلاش کرنے میں لگا رہے کہ بال بچوں کے لئے کمانا بھی عبادت ہے۔ اور اگر یہ عامی عورت ہے تو جو وقت بچے اس میں گھر کا کاروبار خاص کر اپنے شوہر کی خدمت کرنا اس کے لئے عبادت ہے، اس کام میں لگی رہے، مگر عورت بدون اپنے شوہر کی اجازت کے پیر کے یہاں نہ جاوے اور جن دنوں میں حیض آوے ان دنوں میں بھی وظیفوں کے وقت میں وضو کر کے وظیفے پڑھ لیا کرے، سوائے قرآن مجید کے، کہ اس کا پڑھنا اس حالت میں درست نہیں۔

دستور العمل اس شخص کا جو عالم نہ ہو اور دنیا کے

کام سے بے فکر ہو

اس شخص کا دستور العمل وہی ہے جو پہلے شخص کے لئے بیان کیا گیا، مگر اتنی باتیں اور زیادہ ہیں وہ یہ کہ اگر ہو سکے تو پیر کے پاس جا پڑے، لیکن اپنے کھانے پینے کی فکر ایسے طریقے سے کرے کہ کسی دوسرے پر اس کا بوجھ نہ پڑے اور اگر کوئی سامان ظاہری کھانے پینے کا نہ ہو تو اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ دوسرے کے بھروسے پر نہ رہے، یا تو کچھ مزدوری کرے اور اگر ہمت نہ ہو تو اللہ پر بھروسا کرے، مل جاوے تو کھالے، نہ ملے صبر کرے۔ اور اگر پیر کے پاس نہ رہ سکے تو

اپنے وطن میں رہے، خواہ گھر میں یا کسی مسجد میں، مگر جہاں تک ہو سکے آدمیوں سے الگ رہے، کسی کے پاس زیادہ آوے جاوے نہیں، جب تک کوئی دنیا یا دین کا کام نہ ہو میل جول نہ کرے، اور جب کسی ضرورت سے ملنا ہو تو زبان کا بہت خیال رکھے، کوئی بات ایسی جو شرع میں منع ہو جیسے کسی کو پیٹھ پیچھے بُرا کہنا یا اور کوئی بات ایسی منہ سے نہ نکلنے پائے، لیکن نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، اور تنہائی میں جو وقت ضروری کام اور راحت و آرام سے بچے اس میں قرآن شریف کی تلاوت کرے اور مناجات مقبول پڑھے یا نظلیں یا دُرود شریف یا استغفار پڑھتا رہے، اور اگر کچھ پڑھا ہو تو تھوڑے وقت میں دین کی کتابیں بھی جو اُردو، فارسی میں ہیں کسی عالم کو دکھا کر دیکھا کرے، لیکن جہاں سمجھ میں نہ آوے اپنی عقل سے اس کا مطلب نہ بنالے، کسی عالم سے پوچھ لے، اور اگر اس بستی میں کہیں طالب علم یا اللہ اللہ کرنے والے موجود ہوں تو ان کی خدمت کرنے میں اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ خرچ کرے، اس سے دل میں نور بھی پیدا ہوتا ہے اور اپنی بڑائی بھی دل میں نہیں آتی، اور کبھی کبھی نفل روزہ بھی رکھ لیا کرے۔ باقی دونوں قسم کے آدمیوں کو جو عالم نہ ہوں کوئی مشغل نہ بتلانا چاہئے کیونکہ اس میں بہت باتیں پیدا ہوتی ہیں کہ اُن سے خرابی کا ڈر ہے اور ان کی سہار عالم کے سوا کوئی دوسرا آدمی نہیں کر سکتا ہے، البتہ اگر اس میں شوق دیکھے اور قابل اس کے سمجھے تو ذکر ”اللہ، اللہ“ کا تین

ہزار سے چھ ہزار مرتبہ تک تنہائی میں بیٹھ کر پڑھنے کو بتلاوے، مگر آواز اور ضرب کے ساتھ نہ ہو، چپکے چپکے پڑھے، اس سے زیادہ مناسب نہیں، باقی دوسرے وظیفے اور نفلیں جس قدر جی چاہے پڑھے، البتہ اگر وہ شخص جو عالم نہیں ہے عالموں کی صحبت میں رہنے سے مثل عالموں کے سمجھ دار ہو گیا ہو وہ عالم کی مثل ہے، اس کو شغل بتلانے میں حرج نہیں۔

دستور العمل اس عالم کا جو دینی یا

دنیوی کام میں لگا ہو

یہ ہے کہ جو وقت فرصت کا ہو اور دل کی فکر سے خالی ہو، اور پیٹ نہ بھرا ہو بھوک لگی ہو، ایسے وقت کو مقرر کر کے اس میں بارہ ہزار سے لے کر چوبیس ہزار مرتبہ جتنا ہو سکے تنہائی میں بیٹھ کر ”اللہ، اللہ“ وضو کے ساتھ ہلکی آواز، ہلکی ہلکی ضرب کے ساتھ دل کو ذکر کی طرف لگا کر پڑھا کریں، اور تہجد کی پابندی کریں اور کسی وقت قرآن شریف کی تلاوت اور مناجات مقبول عربی یعنی قربات عند اللہ و صلوات الرسول کی ایک منزل روزانہ ہمیشہ پڑھا کریں، اور اگر مدرس ہیں تو بہتر ورنہ تھوڑا وقت علم دین پڑھنے والوں کے پڑھانے میں ضرور صرف کیا کریں، اور کبھی کبھی جب ضرورت دیکھیں یا سننے والے شوق ظاہر کریں ضروری مسلوں کا وعظ بیان کر دیا کریں، مگر وعظ میں جو

باتیں ضروری نہ ہوں اُن کو بیان نہ کریں اور جو ضروری بات ہو اور عام لوگ اُس سے بھڑکتے ہوں اس کو نہ تو گول گول کہیں اور نہ سختی سے کہیں، بلکہ صاف کہیں لیکن نرمی کے ساتھ، اور وعظ کا معاوضہ نہ لیں، نہ عام لوگوں کے زیادہ پیچھے پڑیں، نہ ان کو سخت کہیں کہ اس سے خواہ مخواہ عداوت پیدا ہو جاتی ہے، اور ”احیاء العلوم“ اور جو ایسی کتاب ہو دیکھا کریں، لیکن اپنے پیر سے دُور رہ کر شغل نہ کریں، البتہ اگر تھوڑے دن پیر کے پاس رہ کر یہ کام کیا ہو اور وہ اب بھی اس کو کرنے کو کہے تو حرج کچھ نہیں۔

دستور العمل خاص اُس عالم کا جو

کام میں لگا ہوا نہ ہو

اگرچہ یہ فرصت چند ہی دنوں کی ہو جس کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہے، یہ ہے کہ تھوڑے دن اپنے پیر کے پاس رہ کر ذکر کریں، اور ان کے لئے فقط اتنا ذکر کافی ہے کہ بعد تہجد کے بارہ تسبیح یعنی ”لا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ“ دو سو بار، اور ”اِلَّا اللهُ“ چار سو بار، اور ”اَللّٰهُ اَللّٰهُ“ اس طرح کہ پہلے لفظ ”اَللّٰهُ“ میں پیش ہو اور دوسرے لفظ ”اَللّٰهُ“ میں جزم، چھ سو بار، اور فقط ”اَللّٰهُ“ سو بار۔ یہ تیرہ تسبیحیں ہوئیں، مگر نام ان کا بارہ تسبیح ہے، ان کو تھوڑی آواز اور ہلکی ضرب سے کریں، لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ زور سے ذکر کرنا اور ضرب لگانا خود کوئی ثواب کی بات نہیں ہے،

ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے، اور حدیث میں جو آیا ہے: "إِذْبَعُوا غَلِي
 أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَحَمَّ وَلَا غَانِيًا" "یعنی نرم کرو تم اپنی
 جانوں پر، کیونکہ نہ تم بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ اُس شخص کو جو زور
 ہے۔" یہ ممانعت میرے نزدیک اسی صورت میں ہے جب ذکر زور
 سے سے اسی اعتقاد سے کرے، اور بعض عالموں نے اس حدیث کا
 مطلب یہ لکھا ہے کہ اتنا چلا کر ذکر نہ کرے جس سے لوگوں کو تکلیف
 پہنچے، مثلاً سونے والے پریشان ہوں۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے جو زور سے
 ذکر کرنے کو منع فرمایا ہے اس کی بھی یہی وجہیں ہیں جو بیان ہوئیں،
 ورنہ زور سے ذکر کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز ختم ہونے کی یہ
 علامت تھی کہ لوگ زور زور سے "اللہ اکبر، اللہ اکبر" کہتے تھے۔ اور
 حدیث کی کتابوں میں وتر کے بعد "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ" کہتے
 وقت آواز بلند کرنے کی حدیث موجود ہے۔ اور فائدہ زور سے ذکر
 کرنے میں یہ ہے کہ اس سے وسوسے اور خیالات کم آتے ہیں، کیونکہ
 اپنی آواز جو کانوں میں آتی رہے دل آسانی سے ادھر متوجہ رہ سکتا ہے،
 سو یہ فائدہ تھوڑی آواز سے ذکر کرنے میں بھی حاصل ہے۔ اسی طرح
 ضرب لگانے میں بھی ثواب نہیں ہے، اس میں بھی طب کے قاعدے
 سے ایک فائدہ ہے، وہ یہ کہ ایک سخت جھٹکے سے دل میں گرمی پیدا ہوتی
 ہے اور گرمی سے دل نرم ہو جاتا ہے اور دل کی نرمی سے ذکر کا اثر ہوتا

ہے اور ذکر کے اثر سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا خیال اور اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور یہ دونوں دین میں مقصود ہیں، پس ضرب خود دین میں مقصود نہیں بلکہ جو باتیں مقصود ہیں جیسے محبت وہ ان کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، اور ان کا ذریعہ بن جانے سے ذریعہ کے درجے میں ضرب بھی مقصود ہوگئی، لیکن بہت زور سے ضرب لگانے میں خفقان ہو جانے کا ڈر ہے اس لئے اوسط درجے کی ضرب لگاوے اور اس سے زیادہ نہ بڑھائے۔ اور ایک بات قابل سمجھنے کے ہے وہ یہ کہ تصوف کی کتابوں میں ذکر کرتے وقت گردن دائیں اور بائیں طرف لے جانے کو لکھا ہے، سو جان لینا چاہئے کہ پہلے زمانے میں لوگ طاقت ور تھے اور دماغ ان کے مضبوط تھے اس کی سہارہ کر لیتے تھے، بلکہ بوجہ طاقت ور ہونے کے بدون اس کے ان میں ذکر کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا، اس لئے ان کو اس کی ضرورت تھی کہ گردن کو دائیں طرف لے جا کر ضرب دیں تاکہ زور سے ضرب لگے، اور اب لوگ کمزور ہیں ہلکی ضرب سے بھی دل میں اثر پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے اب ایسا نہ کیا جاوے، ورنہ دماغ کے خراب ہو جانے کا ڈر ہے، بس اتنا ہی کافی ہے ”لا الہ“ کے ساتھ سارے بدن کو آہستہ آہستہ دائیں طرف ذرا جھکا دیں اور ”إلا اللہ“ کے ساتھ بائیں طرف لے آویں، اور اتنی حرکت بھی اس لئے ہے کہ بدن کو ایک حالت پر رکھ کر جی تنگ ہونے لگتا ہے، بدن کو اس طرح ہلانے سے ذرا آسانی ہوتی ہے، ورنہ

ضرورت اس کی بھی نہیں ہے۔ اور پھر ضرب لگانے کے وقت گردن کو جھٹکا دینے کی بھی ضرورت نہیں، بس اتنا کافی ہے کہ ضرب لگانے کے وقت جہاں ”اَلَا“ کا ہمزہ یعنی الف نکلتا ہے اُس پر ذرا آواز کا زور ڈال دیا جاوے، چونکہ سینہ اس آواز کے نکلنے کی جگہ سے یعنی حلق سے قریب ہے اس پر زور ڈالنے سے سینے تک اثر پہنچ جاوے گا، اسی طرح باقی ذکروں میں بھی ضرب تو اسی طرح لگاوے اور بدن کو حرکت دینا اس سے بھی کم کافی ہے، یہ سارا بیان بارہ تسبیح کا ہوا، پھر ذکر بارہ تسبیح کے کرنے کے بعد اگر نیند کا زور ہو تو ذرا سو رہے اور اگر نیند نہ آئے تو اس کو اختیار ہے، چاہے ان بارہ تسبیح کے ذکروں میں سے کسی ذکر کو اور زیادہ کرے یا کچھ نہ کرے خالی رہے، پھر بعد نماز صبح سے قرآن شریف کی تلاوت کرے اور منزل مناجات مقبول پڑھے، اس کے بعد بارہ ہزار سے لے کر چوبیس ہزار بار تک جس قدر ہو سکے^(۱) ”اَللّٰهُ، اَللّٰهُ“ کا ذکر تھوڑی آواز وسط درجے کی ضرب سے تنہائی میں بیٹھ کر کرے اور دوپہر کو ذرا سو رہے، بعد ظہر کے اسی طرح ”اَللّٰهُ، اَللّٰهُ“ کا ذکر کرے بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جتنا آسانی سے عصر کی نماز تک ہو سکے، اور عصر کی نماز کے بعد اگر پیر کو کچھ کام نہ ہو تو پیر کے پاس بیٹھا رہے، اور اگر پیر کسی کام میں لگا ہو یا وہاں موجود نہ ہو یا اس کے دل میں

(۱) یہ دو مرتبہ ہوا، اور آخر میں دونوں جگہ پر جزم ہے، اور زیادہ تر جو ”اَللّٰهُ اَللّٰهُ“ جو دو

مرتبہ لکھا جاتا ہے اور ایک بار گنا جاتا ہے۔ ۱۳

زیادہ شوق پیر کے پاس بیٹھنے کا نہ ہو تو جنگل، باغ، نہر، ندی وغیرہ کی سیر کو چلا جاوے، اور اگر پیر موجود ہو تو اُس سے پوچھ کر جاوے اور اس وقت جب سیر کے لئے جاوے تو عام مسلمانوں کی قبروں اور اولیاء اللہ کے مزاروں کی زیارت بھی کر لیا کرے، پھر بعد مغرب کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ جب تک جی لگے موت کا اور موت کے بعد جو کچھ حساب کتاب ہونے والا ہے اس کا مراقبہ کرے۔

مراقبہ موت

اور مراقبہ موت کا یہ ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر یہ سوچے کہ مرنے کے بعد باتیں ہوں گی، بلکہ ان باتوں کو یہ خیال کرے کہ گویا اسی وقت یہ سب کچھ ہو رہا ہے، کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے سے اللہ کی محبت اور اس مراقبے سے دُنیا سے نفرت پیدا ہوگی، یہی محبت اور نفرت اس کا کام بنادینے کے لئے انشاء اللہ کافی ہوں گی، اور باقی جو وقت بچے اس میں چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے دُرود شریف پڑھتا رہے یا اور جس ذکر میں جی لگتا ہو وہ ذکر کیا جاوے، پاسِ انفاس جو مشہور ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ کوئی دم اللہ کی یاد سے خالی نہ جاوے، جو نسا ذکر ہو اور جو طریقہ اس کا مشہور ہے، خاص اسی طریقے سے کرنا ضروری نہیں بلکہ وہ بھی ایک طریقہ ہے اس کے طریقوں میں سے، پھر اگر

اس ذکر کرنے کے وقت دیکھے کہ یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور دن بدن بڑھتی جاوے اور خیالات کم آویں اور جی ذکر میں لگا کرے، جب تو میرے نزدیک^(۱) شغل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہمیشہ پرہیزگاری کا خیال رکھنا اور مراقبہ جس کا بیان ہوا ہمیشہ کرتے رہنا کافی ہے، عمر بھر اسی کو کرتا رہے آخرت میں تو اس کا پھل یقیناً ملے گا، اور اصل وعدہ پھل ملنے کا آخرت ہی میں ہے، لیکن دنیا میں اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو اس کے دل میں عجیب عجیب طرح کے علم اور معرفت کی باتیں پیدا ہوں گی اور نئی نئی کیفیتیں پیدا ہوں گی، کبھی ذوق و شوق سے، کبھی محبت و انس کی کیفیت سے، کبھی بیعت سے، اور احکام شرعی کی حکمتیں ظاہر ہوں گی اور اس کا برتاؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کا برتاؤ اس کے ساتھ درست ہو جاوے گا، اور جو بات اس سے ایسی واقع ہوگی کہ اس پر ہوشیار کرنے کی ضرورت ہے اس پر ہوشیار کر دیا جاوے گا اور معلوم ہو جایا کرے گا کہ یہ بات مجھ سے اچھی طرح واقع نہیں ہوئی، ان باتوں میں جو لذت ہے، اس کے سامنے سارے جہان کی بادشاہت بھی مٹی کے برابر ہے، اور ان باتوں کو حالات کہتے ہیں، چونکہ اول تو ہر شخص کو نئے حالات پیدا ہوتے ہیں ان سب کو لکھنا ممکن نہیں ہے، ایسے وقت پیر کے پاس آنا ضروری ہے، وہی ان حالات کی

(۱) شغل صوفیہ کی اصطلاح میں ایسی تدبیروں کو کہا جاتا ہے جن سے عاۓ و کجی اور یکسوئی پیدا ہوتی ہے۔

حقیقت بیان کرتا ہے اور اگر حاجت ہوئی تو جو کچھ ذکر و شغل مرید کر رہا ہے اس میں جو اس کو مناسب ہوتا ہے تبدیلی کرتا ہے اور پیر کے پاس رہنے میں جو فائدے ہیں اس ہدایت کے آخر میں بیان ہوں گے، ان باتوں کے جاننے کو کشف الہی کہتے ہیں، باقی کشف کوئی (یعنی پوشیدہ چیزوں کا حال معلوم ہو جانا یا جو بات آگے چل کر ہونے والی ہے اس کا ظاہر ہو جانا) کشف الہی کے برابر نہ اس میں لذت ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہونے میں اس کے برابر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کشف الہی میں زیادہ تھے اور خضر علیہ السلام کشف کوئی میں، پھر ظاہر ہے کہ کس کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے؟ رہی یہ بات یہ جب موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ بڑھا ہوا تھا تو ان کو اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا کیوں حکم فرمایا؟ سو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیجنے سے اس بات کا سکھلانا منظور تھا کہ بات کرنے میں بے دھڑک منہ سے کوئی بات نہ نکال دیا کریں، سوچ سمجھ کر بات کہا کریں، کیونکہ ان سے کسی نے پوچھا تھا کہ اس وقت سب سے بڑا عالم دین کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ”أَنَا أَعْلَمُ“ کہ سب سے بڑا عالم میں ہوں۔ یہ آپ کا فرمانا اس اعتبار سے صحیح تھا کہ جو علم ضروری ہیں ان کو سب سے زیادہ میں جانتا ہوں، لیکن بات آپ نے ایسی کہی تھی جس سے سننے والے کو دھوکا ہو سکتا تھا کہ ہر قسم کے علموں کے جاننے کا دعویٰ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ دکھلادیا کہ دیکھو کشف کوئی میں خضر علیہ السلام

تم سے زائد ہیں، اگرچہ یہ کشف درجے میں کشف الہی کے برابر نہ ہو، مگر پھر بھی بلاقید یہ کہنا تو غلط ٹھہرا کہ میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس لئے بات کرنے میں یہ کہہ دینا چاہئے تھا کہ کشف کوئی میں سب سے زیادہ نہیں ہوں، اور جس کو کشف الہی ہوتا ہو اگر اس کے متعلق پیری مریدی کی خدمت اور مخلوق کے باطن کی اصلاح و دُستی بھی ہو جاوے تو وہ قطب الکونین کہلاتا ہے۔

جو وقت بچے اس میں کچھ نہ کچھ ذکر زبان سے دل کی توجہ کے ساتھ کرتا رہے، خواہ دُرود شریف پڑھا کرے، اور میرے نزدیک یہ سب سے بہتر ہے، خواہ استغفار پڑھے، خواہ کلمہ طیبہ، خواہ اور کچھ جس میں دل لگے، اور ان اوقات میں دل سے ذکر کرنے پر بس نہ کرے کیونکہ اکثر اس میں یہ دھوکا ہو جاتا ہے کہ آدمی کو یہ خیال نہیں رہتا کہ اس وقت دل میں اللہ کی یاد نہیں رہی اور اس سے بڑھ کر کبھی یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اللہ کی بھول کو آدمی یوں سمجھ بیٹھتا ہے کہ میں اللہ کی یاد میں بالکل غرق ہو گیا ہوں۔ اور دو چیزوں سے بچنے کا خیال ہر وقت رکھے، ایک یہ کہ کسی دم اللہ کی یاد دل سے دُور نہ ہونے پائے، جس کی تدبیر یہ ہے کہ ہر وقت ذکر کرتا رہے۔ دُوسرے گناہ سے سے بہت بچے، خواہ چھوٹا گناہ ہو یا بڑا، دل سے ہو یا زبان سے یا ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان سے، اللہ کی یاد نہ رہنے سے دل کا نور جاتا رہتا ہے، اور گناہ سے بھی دل کا نور جاتا رہتا ہے، اور اللہ سے دُوری بھی ہو جاتی ہے، اور یہ

بڑا نقصان ہے، اور اگر اتفاقاً کبھی خیال نہ رہنے کی وجہ سے یا نفس کی شرارت سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً نہایت شرمندگی اور عاجزی کے ساتھ توبہ کرے، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے، خاص بعض گناہوں سے تو اس راہ میں بہت ہی نقصان ہوتا ہے، ایک ریا یعنی لوگوں کے دکھانے کی نیت سے کوئی عمل کرنا، دوسرے تکبر یعنی اپنے کو بڑا سمجھنا، جب آدمی میں تکبر ہوتا ہے تو اس سے کبھی کوئی آدمی فخر کرنے لگتا ہے اور کبھی بڑائی کا گمان ہو جاتا ہے، خواہ دنیوی کمال میں ہو یا دینی کمال میں۔ تیسرے زبان سے کسی کی غیبت یا شکایت کرنا یا کسی پر طعن یا اعتراض کرنا، بلکہ اکثر بیکار اور بے ضرورت باتیں کرنے سے بھی دل کی نورانیت کو نقصان پہنچتا ہے، اور اسی وجہ سے اس راہ میں قدم رکھنے والے کو لوگوں سے بے ضرورت میل جول نہ رکھنا چاہئے۔ چوتھے کسی نامحرم عورت یا لڑکے کی طرف شہوت سے نظر کرنا یا اس کا خیال دل میں لانا۔ پانچویں بے جا اور حد سے زیادہ غصہ کرنا یا بد خلقی اور سختی کے ساتھ کسی سے بات کرنا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں نہ رہنے کی بھی بعض قسم خاص طور پر زیادہ نقصان کی چیز ہے، یہ قسم وہ ہے جو دنیا کے تعلقات کے سبب ہو، یہ قسم ذکر کرنے سے بھی دور نہیں ہوتی، جب ذکر میں مشغول ہوگا بار بار اس کی طرف کھینچے گا۔ اور اس دستور العمل میں ایک بات ضروری یہ ہے کہ جب تک اس شخص کو جس کا ذکر ہو رہا ہے کسی قدر مضبوطی کے ساتھ نسبت باطنی حاصل نہ

ہو جاوے (جس کا مطلب ابھی آگے آتا ہے) اس وقت تک لوگوں کو نفع پہنچانے میں مشغول نہ ہو، نہ ظاہری نفع پہنچانے میں مشغول ہو، نہ باطنی نفع پہنچانے میں، یعنی نہ طالب علموں کو پڑھاوے، نہ عام لوگوں کو وعظ سناوے، نہ بیماروں کا علاج کرے، نہ تعویذ گنڈے لکھے، نہ پیری مریدی کرے، بالکل ایک کونے میں مجبور پڑا رہے، ہاں! اگر ان باتوں میں سے کسی بات کے کرنے میں بالکل مجبور ہو جاوے تو اور بات ہے۔

نسبتِ باطنی

اور علامت نسبتِ باطنی کے حاصل ہونے کی دو ہیں، ایک یہ کہ اللہ کی یاد دل میں ایسی جم جاوے کہ کسی دم دل سے دور نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ کوشش اور فکر رکھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلنے کی طرف چاہے وہ احکام ایسے ہوں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے طریقے بتلائے ہیں، اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں بندوں کو آپس میں معاملہ کرنے کے طریقے بتلائے ہیں، اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں اچھی عادتوں کا حکم فرمایا ہے، اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں بات چیت کرنے کا طریقہ بتلایا ہے، اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں نشست و برخاست اور تمام کاموں کا طریقہ بتلایا ہے، ان سب حکموں کی طرف ایسی

رغبت ہو جاوے اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے اُن سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی کہ ان چیزوں کی طرف رغبت ہوتی ہے جو اپنے جی کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور جیسی کہ ان چیزوں سے نفرت ہوتی ہے جو اپنے جی کو بُری معلوم ہوتی ہیں، اور حرص دُنیا کی دل سے نکل جاوے اور اس کی سب عادتیں مطابق قرآن شریف کے ہو جاویں، البتہ اگر طبعی سستی کسی حکم کے بجالانے میں واقع ہو یا کوئی بُرا دوسوہ دل میں آوے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کو یہ نہ سمجھا جاوے گا کہ شریعت کے حکموں کی رغبت اور شریعت میں جو باتیں منع ہیں ان سے نفرت پیدا نہیں ہوتی، اور یہی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور فرمانبرداری حاصل ہو جانے کا ہے جس کو ہم نے علامت نسبت باطنی کے حاصل ہو جانے کی بتلایا ہے محبت الہی کہلاتا ہے۔ اور اگر نسبت باطنی حاصل ہو جانے کے ساتھ غیب سے بعض علم کی باتیں اور بھید کی باتیں بھی اس کے دل میں آنے لگیں تو یہ شخص عارف کہلاوے گا۔ اب بعد حاصل ہونے نسبت باطنی کے، پڑھانے، وعظ کہنے، کتابیں تصنیف کرنے میں کچھ حرج نہیں، بلکہ علم دین کی خدمت کرنا سب عبادتوں سے بڑھ کر ہے، اور اگر پیر اس کو مرید کرنے اور ذکر مشغل بتلانے کی اجازت بھی دے دے تو اللہ کے بندوں کو اس فائدے کے پہنچانے میں بخیلی نہ کرے، لیکن اپنے کو بڑا نہ سمجھے، بلکہ خلق کا خدمت گزار اپنے کو سمجھے، اور اگر پیر اجازت نہ دے تو ہرگز ایسی جرأت نہ کرے اور نہ اپنی طرف سے

اجازت مانگے، کیونکہ یہ ہوس ہے بڑائی کی، اور اگر پیر اجازت مانگنے سے بھی اجازت نہ دے تو رعایتی اجازت کام کی نہیں، بلکہ بڑا بننے سے چھوٹا رہنا بہت اچھا ہے، البتہ پیر کا حکم ہو جانے کے بعد حکم نہ ماننا بھی مناسب نہیں، اگر سب ایسا ہی کرتے تو سلسلہ ہی درویشی کا بند ہو جاتا، لیکن مریدوں سے اُمیدوار مال کا نہ رہے بلکہ اگر وہ کچھ نذرانہ بھی دیں تو مرید ہونے کے وقت تو بالکل قبول نہ کرے کہ یہ صورت بدل لینے کی سی ہے، اور دوسرے وقت اگر خوشی سے اور حلال آمدنی سے موافق اپنی آمدنی کے اتنا دیں جس کے دینے سے اس کو پریشانی نہ ہو تو ایسی صورت میں ہدیہ قبول کر لینا سنت ہے، اور انکار کرنے میں مسلمان کی دل شکنی ہے اور اللہ کی ناشکری ہے، اگرچہ وہ ہدیہ تھوڑا ہی ہو، اور اگرچہ لوگوں کے سامنے دے جب بھی لینے میں عار نہ کرے کہ اس کا سبب بھی تکبر ہے۔ یہاں تک دستور العمل مذکور تمام ہوا اور اس دستور العمل کی عبارت اس وجہ سے ذرا لمبی ہو گئی کہ اس میں گفتگو ذرا علم والوں ہی سے ہے، ان کی تسلی بدون تفصیلی بیان کے نہ ہوتی ہے اور نہ ان کو مزہ آتا ہے، ورنہ حاصلِ مطلب تھوڑا ہی ہے جس کو اب پھر دوبارہ اس لئے لکھے دیتا ہوں کہ اصلی مطلب کے ٹکڑے اس لمبے مضمون میں بکھر گئے ہیں، اس کی فہرست یہ ہے: تہجد، تہجد کے بعد بارہ تسبیح، بعد نماز فجر تلاوتِ قرآن شریف اور ایک منزل مناجاتِ مقبول کے بعد ذکر ”اللہ، اللہ“ کا بارہ ہزار سے لے کر چوبیس ہزار تک، بعد

عصر پیر کے پاس حاضر رہنا یا جنگل وغیرہ کی سیر کرنا اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کرنا، بعد مغرب مراقبہ موت، باقی جو وقت بچے اس میں دُرود شریف پڑھنا بلا تعداد، اگر ضرورت ہو تو شغل اتحد کرنا، پرہیزگاری کا خیال رکھنا، ذکر پابندی سے کرنا، گناہوں سے اور اللہ کی یاد نہ رہنے سے بچنا، اور ان گناہوں سے خاص بچنا، یعنی لوگوں کے دکھاوے کے لئے کوئی عمل کرنا، اپنے کو بڑا سمجھنا، فخر کرنا، اپنے جی ہی جی میں اپنے کمالات پر خوش ہونا اور نفس کا پھولنا، کسی کی پیٹھ پیچھے بُرائی کرنا، بیکار باتیں کرنا اور لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا، شہوت سے نا محرم عورت اور لڑکے کو دیکھنا یا اس کا خیال دل میں شہوت کے ساتھ لانا، بہت غصہ کرنا، کج خلقی سے رہنا، دُنوی تعلقات بڑھانا اور جو باتیں اس قسم کی ہوں ان سے بچنا۔ اور بقیہ فہرست یہ ہے: نسبتِ باطنی حاصل ہونے تک وعظ اور پڑھانے وغیرہ کو ترک کرنا، بدوں اجازت پیر کے پیری مریدی نہ کرنا اور ذکر و شغل کی تعلیم نہ کرنا، اور میزانِ کل ان سب باتوں کا دو چیزیں ہیں، ایک اللہ اور رسولؐ کے حکموں پر چلنا، دوسرے ذکر کی پابندی کرنا۔ گناہ سے اللہ اور رسولؐ کی تابعداری میں فرق آجاتا ہے، اور یادِ الہی نہ رہنے سے ذکر میں نقصان پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے چاہئے کہ اپنا اصلی کام ہمیشہ تابعداری اور ذکر کی پابندی کو اور گناہ سے بچنے اور اللہ کی یاد بھلانے سے بچنے کو سمجھے، اگر ایک مدت تک اس کی پابندی رہے گی تو انشاء اللہ محروم نہ رہے گا،

اور یوں تو اوّل ہی سے فائدہ ہونا شروع ہو جاتا ہے، لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا، ایک وقت ایسا آوے گا کہ یہ بھی سمجھنے لگے گا، لیکن نہ گھبراوے، نہ جلدی کرے، نہ سستی کرے، کیونکہ فائدے کے لئے نہ کوئی مدت مقرر ہے، نہ کوئی اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے، البتہ اس قدر اُمید کر سکتے ہیں۔

اندریں راہ می خراش وی تراش
تا دمِ آخر دے فارغِ مباحش
تا دمِ آخر دے آخر بود
کہ عنایت با تو صاحب سر بود

یعنی اس راہ میں جو قدم رکھے اس کو چاہئے کہ اس اُدھیڑ بن میں لگا رہے، مرتے دم تک ایک گھڑی بے فکر نہ بیٹھے، آخر دم تک کوئی نہ کوئی وقت ایسا ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی عنایت شاملِ حال ہوگی اور بیڑا پار ہو جاوے گا، اور اگر ان سب باتوں کے ساتھ ابتداء میں ذرا زیادہ اور اس کے بعد کبھی کبھی پیر کی خدمت میں رہنے کا بھی اتفاق ہو جاوے تو نور علی نور ہے، اس کے پاس رہنے میں جو فائدے ہیں ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کو دیکھ کر اس کی عادتیں اختیار کرے گا، ذکر میں، عبادت میں، رُوح کو تازگی ہوگی، ہمت بڑھے گی، جو نیا حال ہوگا اس کے بارے میں پوری تسلی ہو جاوے گی اور اس کے علاوہ اور بہت سے فائدے ہیں جو پاس رہنے سے خود ہی وارد ہوتے

ہیں، موٹی بات ہے کہ مریض کا حکیم کے پاس ہونا اور دُور رہنا دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، کسی نے خوب کہا ہے۔

مقام امن و مے بے غش درینق شفیق
گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یعنی اگر اطمینان کی جگہ اور شرابِ خالص محبتِ الہی کی اور شفقت رکھنے والے پیر کی صحبت ہمیشہ کے لئے میسر ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے، ”وَاللّٰهُ يَسْئَلُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ“، یعنی اللہ تعالیٰ سچی بات کا کہنے والا اور راہِ راست کا دکھلانے والا ہے۔

ساتویں ہدایت

وِجْمَعِي كے بیان میں

ذکر کرنے والے کو چاہئے کہ جو باتیں دل کو پریشان کرنے والی ہیں اُن سے بچے، کیونکہ اطمینانِ دل کا بڑی دولت ہے اور یہ باتیں بہت سی ہیں، ایک اپنی بے احتیاطی سے صحت خراب کر لینا اس لئے صحت کی بہت حفاظت کرے، دماغ کو تروتازہ رکھنے کی اور دل کو قوت پہنچانے کی فکر رکھے، دوا سے بھی اور غذا سے بھی، غذا میں نہ اتنی کمی کرے کہ ضعف اور خشکی ہو جاوے، نہ اتنی زیادتی کرے کہ ہضم نہ ہو، کہ اس سے بھی صحت خراب ہو جاتی ہے، صحبت کی کثرت نہ کرے

کہ اس سے بھی اعضائے رئیسہ خاص کر دل و دماغ کمزور ہو جاتے ہیں، جب تک سچی بھوک نہ لگے کھانا نہ کھاوے، اور ایک آدھ لقمے کی خواہش باقی رہنے پر کھانا چھوڑ دے، اور جب تک طبیعت میں سخت تقاضا نہ ہو صحبت نہ کرے، اسی طرح سونے میں اوسط درجے کا خیال رکھے، نہ بہت زیادہ سووے کہ سستی ہو جائے، نہ کمی بہت کرے کہ خشکی ہو جاوے۔ دوسری بات دل کو پریشان کرنے والی بلا ضرورت عمدہ غذاؤں کی فکر میں لگا رہنا۔ تیسری بات ہر وقت اپنے بدن کی آرائش میں لگا رہنا ہے کہ اسی بارے میں کہا گیا ہے ۔

عاقبت ساز و ترا از دیں بریں

ایں تن آرائی و ایں تن پروری

یعنی انجام اس بدن کی آرائش اور پیٹ کے پالنے ہی میں رہنے کا یہ ہوگا کہ دین رخصت ہو جاوے گا، مطلب یہ کہ پورا دین نہ رہے گا، البتہ بالکل میلا کچھلا رہنا بھی بُرا ہے کہ اس سے بھی دل میلا ہوتا ہے، سادہ اور صاف رہے البتہ اگر بدون فکر کے اچھا لباس اور عمدہ غذا میسر ہو اور نفس میں کسی بُرائی کے پیدا ہونے کا ڈر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، کام میں لاوے اور شکر بجا لاوے۔ چوتھی بات مال کی حرص اور اس کے جمع ہونے کی فکر میں لگا رہنا یا یہ کہ جو مال پاس ہے اس کو بے کار خرچ کر کے اڑا ڈالنا کہ دونوں کا نتیجہ دل کا پریشان ہونا ہے، حریص آدمی تو ہر وقت اسی دُھن میں لگا رہے گا اور فضول خرچ

مال ختم ہونے کے بعد آخر پریشانی میں مبتلا ہوگا یا پرانے مال پر نظر دوڑائے گا۔ پانچویں بات کسی سے دوستی یا دشمنی باندھ لینا، دوست اس کو گھیر کر اس کا وقت ضائع کریں گے اور دشمن اس کو ایذا پہنچا کر پریشانی میں ڈالیں گے۔ اسی طرح اور جو باتیں پریشانی کا سبب ہوں اور خود ضروری نہ ہوں ان سب سے جہاں تک ہو سکے بہت بچتا رہے، البتہ اگر کوئی پریشانی اس طرح پیش آ جاوے کہ اس نے کام پریشانی کا نہیں کیا تھا یا اس نے کسی شرعی ضرورت سے کیا تھا پھر اس میں کوئی پریشانی آگئی ہے، مثلاً کسی سوخوار نے کوئی چیز اس کو دی، اس نے لینے سے انکار کر دیا وہ اس کا دشمن ہو گیا تو ایسی پریشانی سے باطن کا نقصان نہ ہوگا، اگر ایسی پریشانی میں مبتلا ہو جاوے تو بے چین نہ ہو، حق تعالیٰ پر نظر اور بھروسہ رکھے وہ مدد فرما دے گا، اگر کچھ تکلیف بھی پہنچے تو اس میں حکمت الہی سمجھ کر اس پر راضی رہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی اور رضامندی اور زیادہ حاصل ہوگی۔



آٹھویں ہدایت

اختیاری اور غیر اختیاری اعمال کے متعلق

جو باتیں اختیاری ہیں ان میں تو کمی نہ کرے اور جو باتیں اختیاری نہیں، اگر اچھی ہیں تو ان کے پیچھے نہ پڑے، اور اگر ناگوار ہونے والی ہیں تو ان کے دور کرنے کی فکر میں نہ پڑے، مثلاً نماز یا تلاوت قرآن یا ذکر کے اندر تو یہ اختیار میں ہے کہ اپنے دل کو اگرچہ زور لگا کر ہو متوجہ رکھے، جس کے کئی طریقے ہیں، مثلاً ایک طریقہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کا خیال باندھے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لفظوں کے معنی و مطلب کی طرف دھیان رکھے یا فقط لفظوں کی طرف خیال رکھے، اس طرح کہ ہر لفظ سوچ کر زبان سے نکالے، پس اس میں تو کمی نہ کرے، باقی نماز میں یا تلاوت قرآن کے وقت جی نہ لگنا یا مزہ نہ آنا یا وسوسوں اور خطروں کا کثرت سے آنا خواہ وہ کتنے ہی برے ہوں یہ بات اختیار سے باہر ہے، اس کی فکر نہ کرے، اپنا اختیاری کام کئے جاوے اس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ خیالات خود ہی کم ہو جاتے ہیں، خاص کر وسوسوں کی طرف تو ذرا بھی توجہ نہ کرے، نہ وسوسے کے آنے سے رنج و غم کرے کہ اس سے وسوسوں کی دوئی زیادتی ہوتی ہے، پھر سخت پریشانی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اس کا عمدہ علاج یہی ہے

کہ اپنے ذکر وغیرہ کی طرف اپنی توجہ کو پھر تازہ کر لیا کرے اور اس سے بالکل بے پروائی اختیار کر لے اس سے وہ آپ ہی آپ جاتا رہے گا، اور مثلاً اللہ کی فرمانبرداری اختیار ہی ہے، اس میں سستی نہ کرے۔ اور یہ باتیں اختیار سے باہر ہیں: اچھا خواب دیکھنا، دُعا قبول ہونا، ذکر کے اثر سے تڑپنے لگنا، بے اختیار رونا آنا وغیرہ وغیرہ، ان باتوں کے ہونے کی فکر نہ کرے۔ یا مثلاً گناہ اختیار ہی ہے، اس کے پاس نہ جاوے۔ اور یہ چیزیں اختیار ہی نہیں: بُرا خواب، طبیعت میں تازگی نہ ہونا، رزق میں کمی ہونا، ذکر میں کسی چیز کا نظر نہ آنا یا کوئی اثر معلوم نہ ہونا، بیمار ہو جانا وغیرہ، ان سے پریشان نہ ہو، یا مثلاً کسی سے بے ارادہ عشق ہو جانا اختیار ہی نہیں، اس میں کوئی گناہ اور نقصان نہیں اگرچہ تکلیف ہے، لیکن یہ باتیں اختیار میں ہیں: اس کو دیکھنا، اس سے باتیں کرنا، اس کی آواز سننا، اس کے پاس آنا جانا، اس کا خیال دل میں لانا، اس کو سوچ کر دل سے لذت لینا، ان سے بچنا ضروری ہے اور اکثر تدبیر سے وہ عشق بھی کم ہو جاتا ہے، اور اگر اس میں کوتاہی کرے گا گناہگار ہوگا اور دل سیاہ ہو جاوے گا۔ یا مثلاً کسی گناہ کی طرف مائل غیر اختیار ہی ہے اس کے دُور کرنے کی فکر میں نہ پڑے، البتہ گناہ اختیار ہی ہے اس سے بچے، اس خواہش پر عمل نہ کرے، جو شخص غیر اختیار ہی چیزوں کے حاصل کرنے یا دُور کرنے کی فکر میں رہتا ہے تمام عمر اس کی پریشانی میں گزرتی ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں

نے انہی وجہوں سے اپنے کو مردود سمجھ لیا، پھر بعض نے تو خودکشی کر لی ہے، اور بعض ذکر و عبادت چھوڑ کر گناہ بے دھڑک کرنے لگے، غرضیکہ ان لوگوں نے ایمان کا نقصان کیا یا ایمان کے ساتھ جان کا بھی نقصان کیا، کیونکہ خودکشی کرنے میں جان بھی گئی اور گنہگار بھی ہوئے، یہ تو ایمان اور جان کا نقصان ہے، اور ذکر و عبادت چھوڑنے اور گناہ کرنے میں ثواب سے محروم رہے اور گنہگار ہوئے، یہ ایمان کا نقصان ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو باتیں غیر اختیاری ہیں ان میں جو باتیں ایسی ہیں کہ اُن کے ہونے کو جی چاہتا ہے ان کا ہونا کبھی درویشی کی راہ چلنے والے کے لئے خرابی کا سبب بھی ہو جاتا ہے، مثلاً اپنے کو کامل سمجھنے لگا اور اس سے اپنے کو اوروں سے اچھا سمجھنے لگا یا کمال کا دعویٰ کرنے لگا یا اس کی وجہ سے بزرگ مشہور ہو گیا اور اس سے نقصان ہوا۔ اسی طرح ان چیزوں کا حاصل نہ ہونا اس کے نفع کا سبب ہو جاتا ہے، مثلاً اپنے کو ناکارہ حقیر سمجھنے لگا۔ اور باتیں غیر اختیاری ایسی ہیں کہ ان کا ہونا آدمی کو ناگوار ہوتا ہے، ان کا ہونا بھی مفید ہو جاتا ہے، مثلاً اس کے برداشت کرنے میں مشقت ہوتی ہے جو ایک طرح کا مجاہدہ ہے، اور تنگی ہوتی ہے، غم ہوتا ہے جس سے دل کی صفائی ہو جاتی ہے، ایسی جگہوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "غَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَغَسَىٰ اَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ" یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کا ہونا تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اور واقع میں اس کا

ہونا تمہارے حق میں بہتر ہوتا ہے، اور بسا اوقات تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو حقیقت میں وہ تمہارے حق میں بُری ہوتی ہے۔ البتہ اگر پسندیدہ باتیں از خود حاصل ہو جائیں تو نعمتِ الہی سمجھ کر شکر کرے، جیسا کہ ان چیزوں کے نہ حاصل ہونے کو بھی ایک اعتبار سے جس کا ابھی بیان ہوا ہے نعمت سمجھ کر شکر کرے، خوب سمجھ لو!

نویں ہدایت

در رسوم مشائخ

آج کل اکثر درویشوں میں بعض رسمیں رائج ہو گئی ہیں، سو بعض رسمیں تو محض خلاف شرع ہیں، جیسے قبر کے گرد گھومنا یا قبر کو بوسہ دینا یا اس پر غلاف ڈالنا یا بزرگوں کی منت ماننا یا ان سے کچھ مانگنا۔ اور بعض رسمیں خود جائز تھیں مگر ان کے ساتھ ناجائز باتیں مل کر ناجائز ہو گئی ہیں، جیسے عرس یا گانا سننا یا قیل پنج آیت یا مجلس مولود شریف کی کہ عام لوگ ان باتوں کے منع کرنے یا خود نہ کرنے کو درویشی کے خلاف سمجھتے ہیں، ان رسموں میں جو خرابیاں ہیں ان کو پورے طور سے احقر نے ”اصلاح الرسوم“ و ”حق السماع“ و ”تعلیم الدین“ کے حصہ پنجم و ”حفظ الایمان“ میں لکھ دیا ہے۔ اور بعض اس میں ایسی ہیں کہ اگر ان کو داخل بزرگی سمجھا جاوے اور یہ سمجھا جاوے کہ ان سے اللہ

تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے تو یہ نہایت بُری بدعت ہے، اور اگر اعتقاد میں کوئی خرابی نہ ہو تب بھی محض دُنیا ہے جیسے عمل پڑھنا اور حلال جانوروں کا گوشت چھوڑ دینا۔ اور بعض رسمیں اچھی ہیں اگر ان میں عقیدے کی خرابی نہ ہو، مثلاً شجرہ پڑھنا کہ اس میں مقبول بندوں کے ناموں کو واسطہ دُعا میں قرار دیا جاتا ہے جس کا جواز حدیثوں سے ثابت ہے، لیکن اگر شجرہ پڑھنے میں یہ سمجھا جاوے کہ ان حضرات کے نام پڑھنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ ہمارے حال پر متوجہ رہیں گے تو بالکل غلط اور بے سند عقیدہ ہے، جس کی ممانعت اس آیت سے ثابت ہے: "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ" یعنی جو بات تجھ کو معلوم نہ ہو اس پر عمل درآمد نہ کر۔ اور مثلاً درویشی کی کتابوں کا دیکھنا، ہاں! اگر کوئی ایسا عالم ہو کہ علم معقول یعنی منطق وغیرہ اور علم منقول یعنی تفسیر، حدیث، فقہ یہ سب اچھی طرح جانتا ہو اور ایسے بزرگوں کا صحبت یافتہ ہو جو علم درویشی کو خوب جانتے ہوں، وہ اگر کتابیں دیکھے تو حرج نہیں، ورنہ ان کا دیکھنا دین و ایمان کو برباد کرنے والا ہے، اس لئے اس قسم کی کتابیں ہرگز نہ دیکھی جاویں جیسے مشنوی مولانا روم، دیوان حافظ یا دوسرے بزرگوں کے ملفوظ یعنی جو باتیں انہوں نے بیان کیں اور مریدوں نے ان کو جمع کر کے کتاب بنالی جبکہ ان مکتوبات اور ملفوظات میں درویشی کے بھید یا جو کیفیتیں ان بزرگوں میں پیدا ہوئی تھیں ان کا بیان ہو، بلکہ جن کتابوں میں ان بزرگوں کی حکایتیں ہوں ان کو بھی نہ

دیکھے، یہ سب کتابیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ چونکہ بعض آدمی مرد ہوں یا عورت، مرید ہو کر بھی اپنی حالت اور عادت درست نہیں کرتے اس لئے اس کے بارے میں بھی کچھ ضروری باتیں لکھے دیتا ہوں، باقی پورے طور سے مسئلوں کا بیان دین کی کتابوں میں ہے۔

ہدایتِ دہم

عام مردوں کو نصیحت یعنی جو عالم نہیں

عالموں سے بہت ملتے رہو، اُن سے مسئلے پوچھتے رہو، اگر پڑھے ہوئے ہو تو ”بہشتی زیور“ اور ”بہشتی گوہر“ یا اس کی جگہ ”صفائی معاملات“ اور ”مفتاح الجنۃ“ کو دیکھتے رہو، اور اس پر عمل کرتے رہو، لباس خلاف شرع مت پہنو، جیسے ٹخنوں سے نیچے پانچامہ یا جیسے کوٹ پتلون یا ریشمی یا زردوزی کا کپڑا یا چار انگل سے چوڑی لیس دار ٹوپی یا اتنے ہی کام کا سچا کا مدار جوتا، داڑھی مٹ کٹاؤ اور نہ اس کو منڈواؤ، البتہ ایک مٹھی سے جتنی زائد ہو اس کا اختیار ہے چاہے کاٹ ڈالو، چاہے رہنے دو، جتنی رسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے طریقے کے خلاف پھیلی ہوئی ہیں، سب کو چھوڑ دو۔

رسمیں خواہ دنیا کے رنگ میں ہوں، خواہ دین کے رنگ میں جیسے مولود، فاتحہ، عرس اور شادی میں ساچق اور برات اور مہمان داری یا

نام کے لئے کھانا پکانا اور کھلانا یا نام کے لئے دینا دلانا، عقیدہ اور ختنہ اور بسم اللہ کے مکتب میں لوگوں کا جمع ہونا یہ سب ترک کر دو۔ نہ اپنے گھر کرو، نہ دوسروں کے یہاں شریک ہو، یا غمی میں تہجا، دسواں، چالیسواں وغیرہ، شبِ برات کا حلوہ یا محترم کو تیوہار منانا، نہ خود کرو اور نہ دوسروں کے یہاں جا کر ان کاموں میں شریک ہو، میلوں ٹھیلوں میں مت جاؤ، نہ اپنے بچوں کو جانے دو اور ان کو ایسی بیہودہ باتوں کے لئے پیسے بھی مت دو جیسے کنکوا (یعنی پتنگ)، آتش بازی، تصویر دار کھلونے وغیرہ، زبان کو غیبت اور گالی گلوچ سے بچاؤ، جماعت کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھو، کسی عورت یا لڑکے کی طرف بُری نگاہ سے مت دیکھو، گانا بجانا مت سنو، پیر سے ہر کام کے لئے تعویذ گنڈے مت مانگا کرو بلکہ اس سے دین کی باتیں سیکھو، البتہ دُعا کرانے کا مضا نفعہ نہیں، ایسا مت سمجھو کہ نذرانہ موجود نہ ہو تو پیر کے پاس کیا جاویں، یہ مت سمجھو کہ پیر کو سب خبر رہتی ہے اُن سے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے، درویشی کی کتابیں مت دیکھو اور نہ ایسی باتیں پوچھو، تقدیر کے مسئلے میں مت بحث کرو، پیر نے جو بتلادیا وہ کئے جاؤ، رشوت اور سود مت لو، رہن کی آمدنی بھی سود ہے اس سے بھی بچو، اور جتنے لین دین خلاف شرع ہیں سب سے بچو، خواب پر بدوین مسئلہ پوچھے عمل مت کرو، اگر پیر کے پاس جاؤ اور وہ اپنے کسی کام میں لگا ہو تو اس کے کام میں حرج مت ڈالو، ایسی جگہ مت بیٹھو کہ اس

کا دل تم کو دیکھ دیکھ کر بٹ جاوے، کہیں کنارے پر بیٹھ جاؤ، جب وہ کام سے چھٹی پاوے اس وقت سامنے جاؤ، ”تعلیم الطالب“ منگاؤ اور دیکھو، ”تعلیم الدین“ کے چار حصے اول کے دیکھ لو، اور ”جزاء الاعمال“ بھی دیکھ لو۔

عام عورتوں کو نصیحت

شرک کی باتوں کے پاس مت جاؤ، اولاد کے ہونے یا زندہ رہنے کے لئے ٹونے ٹونکے مت کرو، فال مت کھلاؤ، فاتحہ، نیاز ولیوں کی مت کرو، نہ بزرگوں کی منت مانو، شبِ برات، محرم، عرفہ، تبرک کی روٹی، تیرہ تیزی کی گھونگھنیاں کچھ مت کرو، جس سے شرع میں پردہ ہے چاہے وہ پیر ہو اور چاہے اور کیسا ہی نزدیک کا ناتہ دار ہو جیسے دیور، جیٹھ، خالہ کا یا پھوپھی یا ماموں کا بیٹا، یا بہنوئی یا نندوئی یا منہ بولا بھائی یا منہ بولا باپ ان سب سے خوب پردہ کرو، خلاف شرع لباس مت پہنو، جیسے کلیوں دار پانجامہ، یا ایسا کرنا کہ جس میں پیٹ، پیٹھ یا کلائی یا بازو کھلے ہوں یا ایسا باریک کپڑا جس میں بدن یا سر کے بال جھلکتے ہوں، یہ سب چھوڑ دو، لمبی آستنیوں کا اور نیچا اور موٹے کپڑے کا کرتہ بناؤ اور ایسے ہی کپڑے کا دوپٹہ ہو، اور دھیان کر کے سر پر سے مٹ ہٹے دو، ہاں! اگر گھر میں خالی عورتیں ہوں یا اپنے ماں باپ یا حقیقی بھائی وغیرہ کے سوا گھر میں کوئی اور نہ ہو تو اس وقت سر

کھولنے میں ڈر نہیں، کسی کو جھانک تاک مت دیکھو، بیاہ شادی، موٹرن، چلہ، چھٹی، منگنی، چوتھی وغیرہ میں کہیں مت جاؤ، نہ اپنے یہاں کسی کو بلاؤ، کوئی کام نام کے واسطے مت کرو، کونے اور طعنے دینے اور غیبت سے زبان کو بچاؤ، پانچوں وقت نماز اول وقت پڑھو اور جی لگا کر تھام تھام کر پڑھو، زکوع سجدہ اچھی طرح کرو، ایام سے جب پاک ہو خوب خیال رکھو کسی وقت نماز ایام بند ہونے کے بعد رہ نہ جائے، اگر تمہارے پاس زیور گوٹہ لچکا وغیرہ ہو تو حساب کر کے زکوٰۃ نکالو، ”بہشتی زیور“ ایک کتاب ہے، اس کو یا تو پڑھ لو یا سن لیا کرو اور اس پر چلا کرو، خاوند کی تابعداری کرو، اس کا مال اس سے چھپا کر خرچ مت کرو، گانا کبھی مت سنو، اگر تم قرآن پڑھی ہوئی ہو تو روزانہ قرآن پڑھا کرو، جو کتاب پڑھنے یا دیکھنے کے لئے مول لینا ہو پہلے کسی عالم کو دکھلا لو، اگر وہ صحیح اور معتبر بتلا دیں تو خریدو ورنہ مت لو، جہاں رسوم کی مٹھائی وغیرہ تقسیم ہوتی ہو وہاں مت جاؤ، اور نہ بانٹنے میں شریک ہو۔

خاص ذکر و مشغل کرنے والوں کو نصیحت

اوپر کی نصیحتیں دیکھ لو، ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا اہتمام کرو، اس سے دل میں بڑا نور پیدا ہوتا ہے، اگر کوئی شخص کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو صبر کرو، جلدی سے کہنے سننے مت لگو، خاص کر غصے کی حالت میں بہت سنبھلا

کرو، کبھی اپنے کو صاحبِ کمال مت سمجھو، جو بات زبان سے کہنا چاہو پہلے سوچ لیا کرو، جب خوب اطمینان ہو جاوے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ اس میں دین یا دُنیا کی ضرورت یا فائدہ ہے اس وقت زبان سے نکالو، کسی بُرے آدمی کی بھی بُرائی مت کرو، نہ سنو، کسی ایسے درویش پر جس پر کوئی حال درویشی کا غالب ہو اور وہ کوئی بات تمہارے خیال میں دین کے خلاف کرتا ہو اس پر طعن مت کرو، کسی مسلمان کو اگرچہ وہ چھوٹے درجے کا ہو حقیر مت سمجھو، مال و عزت کی طمع و حرص مت کرو، تعویذ گنڈوں کا شغل مت رکھو، اس سے عام لوگ گھیرتے ہیں، جہاں تک ہو سکے ذکر کرنے والوں کے ساتھ رہو، اس سے دل میں نور اور ہمت و شوق بڑھتا ہے، دُنیا کا کام بہت مت بڑھاؤ اور بے ضرورت اور بے فائدہ لوگوں سے زیادہ مت ملو اور جب ملنا ہو تو خوش خلقی سے ملو اور جب کام ہو جاوے تو ان سے الگ ہو جاؤ، خاص کر جان پہچان والوں سے بہت بچو، یا تو اللہ والوں کی صحبت ڈھونڈو یا ایسے معمولی لوگوں سے ملو جن سے جان پہچان نہ ہو، ایسے لوگوں سے نقصان کم ہوتا ہے، اگر تمہارے دل میں کوئی کیفیت پیدا ہو یا کوئی علم عجیب آوے تو اپنے پیر کو اطلاع کرو، پیر سے کسی خاص شغل کی درخواست مت کرو، ذکر میں جو اثر پیدا ہو سوائے اپنے پیر کے کسی سے مت کہو، اگر درویشی کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہو تو

(۱) اس کے کہ وہ سب باتیں دین کے موافق کرتا ہو۔

پہلے ”تعلیم الدین“ کا حصہ پنجم اور ”کلید مثنوی“ دیکھو، بشرطیکہ تم علم معقول و منقول دونوں خوب جانتے ہو، بات کو بنایا مت کرو بلکہ جب تم کو اپنی غلطی معلوم ہو جاوے فوراً اقرار کرلو، ہر حالت میں اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی سے اپنی حاجت عرض کیا کرو اور دین پر قائم رہنے کی درخواست کیا کرو، والسلام فقط

تمام شد خلاصہ قصد السبیل

بندہ محمد شفیع

جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ